بسم اللہ الرَّحمٰن الرحیم

سورۃ عصر اور ہماری زندگی

::مصنف::

عبداللہ صدیقی

ریسرچ اسکالر آف ایمانیات

::زیر سرپرستی::

مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحی

امیر ایمانیات سنٹر حیدرآباد

ناشر :: عظیم بک ڈپو دیوبند (یوپی)

● حق کتابت غیر محفوظ

اسی نام سے چھپوانے کی کھلی اجازت ہے

نام کتاب	:-	سورۃ عصر اور ہماری زندگی
مصنف	:-	عبداللہ صدیقی
زیر سرپرستی	:-	مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحی
سن طباعت	:-	2008
کتابت	:-	این این گرافکس، مہدی پٹنم حیدرآباد، 09392414569
تعداد	:-	500
قیمت	:-	

ناشر

Azeem Book Depot

Beside Jame Masjid Deoband,U.P.

Mobile : 09319525634 (H) 01336-223845

انشاء اللہ اس کتاب کا ہندی ترجمہ کیا جائے گا۔
دوست احباب کو تحفہ دے کر دین کا شعور بیدار کیجئے۔

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
سورۃ العصر کی خصوصیات	5	ایمان کی مثال بیج بنیاد اور جڑ کی ہے	59
زمانہ یا وقت کیا ہے؟	9	ایمان اور اعمال کو جانچنے کا طریقہ	60
قسم کھا کر بات کیوں بیان کی گئی؟	10	اتنی محنتیں ہونے کے باوجود اصلاح کیوں نہیں ہو رہی ہے	62
قسم کھانے کی عوام طور پر وجوہات	11	سائنس اچھے سامان تو بنا سکتی ہے اچھے انسان نہیں	73
غافل انسانوں کے نزدیک کامیابی اور ناکامی کا تصور	15	صرف دنیوی تعلیم سے کوئی اخلاق پیدا نہیں ہو سکتے	74
غافل انسانوں کو دنیا کی حقیقت سمجھانے کا طریقہ	19	ایمان کے حاصل کرنے کا ذریعہ	76
انسان کی زندگی برف کی طرح گھل رہی ہے	25	تواصی بالحق اور تواصی بالصبر	84
بیوقوف تاجر اپنے سرمایہ کے گھلنے کے باوجود خوش ہوتا ہے۔	28	خلیفہ ہارون رشید کو نصیحت	97
دنیا کی حقیقت قرآن وحدیث کی روشنی میں	35	اعمال صالحہ اختیار کرنا ایک مشکل ترین کام کا تصور	98
اللہ کے نزدیک انسانوں کی کامیابی وناکامی کا معیار	41	خصوصی توجہ طلب بات	100
ایمان واسلام کی حقیقت	43	چاروں شرائط نجات کیلئے ضروری	101
کائنات کی ہر چیز مسلم ہے	52	لفظ انسان کا استعمال کیوں ہوا	102
انسان اور دوسری مخلوقات میں فرق	53		
ہر انسان طبعیت اور فطرت کے اعتبار سے مسلم ہی ہے	56		

•••••☆☆☆☆☆•••••

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ العصر

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

نام:- اس سورۃ کا نام اس کی پہلی آیت کے لفظ ''العصر'' پر رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول:-

بعض مفسرین اس سورۃ کو مدنی قرار دیتے ہیں لیکن مفسرین کی اکثریت اسے مکی سورۃ قرار دیتی ہے اور ان کی تحقیق ہے کہ نزول کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں سے ایک ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مکی دور کے بالکل ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی۔

سورۃ العصر کی عام خصوصیات

پہلی خصوصیت :-

قرآن مجید کی جملہ 114 سورتیں ہیں، بعض بڑی اور بعض چھوٹی ہیں۔ ان 114 سورتوں میں سب سے چھوٹی اور مختصر تین ہیں، سورۃ العصر، سورۃ نصر، اور سورۃ الکوثر۔ سورہ بقرہ اور سورۂ آل عمران وغیرہ کافی بڑی بڑی سورتیں ہیں۔ سورۂ بقرہ تو ڈھائی پاروں پر مشتمل ہے۔ لیکن سورۃ العصر قرآن مجید کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے۔

وَالْعَصْرِ ○ قسم ہے زمانے کی

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ بیشک انسان خسارے میں ہے

اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ایمان لایا اور نیک کام کئے اور سچائی کی تاکید اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

دوسری خصوصیت :-

اس سورۃ کے الفاظ انتہائی آسان اور عام فہم ہیں جس کو یوں کہنا چاہیئے کہ اس کے اکثر الفاظ ہماری روز مرہ کی عام اُردو زبان میں کثرت کے ساتھ استعمال ہوتے ہی رہتے ہیں اور ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی ان الفاظ کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

''العصر'' کے معنی ہیں زمانہ' تیزی سے گذرنے والا وقت۔ اردو زبان میں یہ لفظ اکثر و بیشتر استعمال کیا جاتا ہے جیسے عصرِ حاضر' ہمعصر اور نمازِ عصر میں یہی معنی مراد ہے۔

''انسان'' کے معنی آدمی کے ہیں' یہ لفظ تو عام طور پر ہر ایک کی زبان پر کثرت سے استعمال ہوتا ہی رہتا ہے۔

''خسر'' کے معنی ہیں گھاٹا۔ لفظ خسارہ خسر سے بنا ہے اور عام طور پر لوگ اس لفظ کو بجٹ میں خسارہ یا دوکان میں خسارہ یا اسی طرح خسران وغیرہ کے طور پر بولتے ہیں۔

''اِلّا'' کے معنی ہیں مگر' سوا۔ یہ لفظ بھی اکثر ہماری گفتگو میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً میں نے ساری باتیں کہہ دیں اِلّا اس بات کے۔

''اٰمَنُوا ''معنیٰ ہیں ایمان لائے۔ یہ لفظ ایمان سے بنا ہے۔

''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ''معنی ہیں نیک کام کئے 'لفظ عمل اور لفظ صالح بھی کثرت سے اردو زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔

''تَوَاصَوْا'' لفظ وصیت سے ہے۔ معنی ہیں ایک دوسرے کو تاکید کرنا۔

'' حَقِّ '' معنی ہیں سچائی اور حق کے۔ یہ لفظ بھی اردو زبان میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے مثلاً حق بات کہو' حق کی دعوت دو' یا فلاں کا حق ادا کرو۔

'' صَبْــرِ'' اس لفظ کا تو تعارف ہی ضروری نہیں' ہماری زبان میں ہر بچے بڑے کی زبان پر بہت عام ہے۔ اس کے معنی ہیں ڈٹ جانا' برداشت کرنا۔

'' وَ'' کسی بھی اسم کے پہلے وَ پر زبر آ کر اسم کے آخیر میں زیر آ جائے تو ''وَ'' قسم کے معنوں میں ہوگا مثلاً وَالشَّمسِ (سورج کی قسم) وَالْقَمَرِ (قسم ہے چاند کی) وَالْسَّمَاءِ (قسم ہے آسمان

کی) وَالْاَرْضِ (زمین کی قسم) اسی طرح وَالْعَصْرِ کا معنی ہے (زمانے اور وقت کی قسم)
'اِنَّ '' بے شک' یقیناً 'اَلْاِنْسَانَ 'تمام انسان' ساری انسانیت 'اَلَّذِیْنَ 'وہ لوگ (اسم کے بجائے)

تیسری خصوصیت :-

ہر زبان میں کچھ جملے اور الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو بہت ہی مختصر' جامع اور نہایت آسان عام فہم مگر معنیٰ اور مطلب کے اعتبار سے انتہائی وسعت لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

قرآن مجید تو عربی زبان کا اعلیٰ ترین ادبی شاہکار ہے اور تقریباً پورے کا پورا قرآن آسان اور سہل ہے۔ اس کے ہر لفظ میں علم کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی سورتوں میں یہ سورۃ خاص طور پر مختصر' جامع اور نہایت ہی آسان اور عام فہم ہوتے ہوئے معانی و مطالب کے اعتبار سے اپنے اندر انتہائی وسعت لئے ہوئی ہے۔ گویا یہ اپنے مضمون اور مفہوم و معنی کے اعتبار سے قرآن مجید کی ایک جامع ترین سورۃ ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ بہت بڑے بڑے مضامین جو کافی تفصیل رکھتے ہیں' اس سورۃ میں انتہائی کم الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ مگر پھر بھی کوئی لفظ کٹھن اور مشکل یا بھاری بھرکم استعمال نہیں کیا گیا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا '' اگر لوگ اس سورۃ (سورۃ العصر) پر غور کریں تو وہ اسی میں پوری رہنمائی اور کامل ہدایت پالیں گے''۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

چوتھی خصوصیت :-

قرآن مجید قیامت تک آنے والے انسانوں کو کامیابی اور نجات کا راستہ بتلانے کیلئے نازل کیا گیا ہے اور اس کو '' هُدیً لِلنَّاس '' کہا گیا ہے۔ یعنی انسانوں کیلئے ہدایت کی کتاب' تاکہ انسان اپنی زندگی کو خسارے اور نقصان سے بچا کر نجات اور کامیابی کی طرف لے جائے۔

نجات اور کامیابی کی رہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تیس پاروں میں پچھلی قوموں کی زندگیوں کا خسارہ اور ان کی نافرمانی کے حالات پیغمبروں کے ساتھ ان کا سلوک اور پیغمبروں کی قربانیوں' مشکلات و مصائب پر ان کا صبر اور ایمانیات کی مفصل بحثوں کو جس تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہی مضامین نہایت اختصار کے ساتھ اس چھوٹی سی سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں'

گویا اس سورۃ میں پورے قرآنِ عظیم کو سمیٹ کر بیان کر دیا گیا ہے' مثلاً وَالْعَصْرِ کو دیکھیئے' اس میں ایک طرف گذشتہ قوموں کی تباہی کے حالات کو ثبوت کے طور پر یاد دلایا جا رہا ہے اور دوسری طرف موجودہ زمانے کے انسانوں کی تیزی سے گذرتی ہوئی زندگی کی غفلت' نافرمانی اور بغاوت پر آگاہ کیا جا رہا ہے۔

" خُسْر " میں پچھلی قوموں کی نافرمانیوں اور بغاوت پر ان کا انجام اور موجودہ زندگی والے انسانوں کی بغاوت و نافرمانی پر دنیا اور آخرت کے گھاٹے اور خسارے کا ذکر کیا گیا ہے۔

"اٰمنُوا " کے ذریعہ ایمانیات کی بحث کی گئی ہے۔

"وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ " کے ذریعہ اسلام پر زندگی گذارنے کی شرط یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج غرض عبادات و اطاعت اور زندگی کے سارے معاملات میں پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی شرط۔

" وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ "میں ایک دوسرے کو سچائی اور حق کی وصیت اور نصیحت کا حکم ہے۔

" وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ "میں ایک دوسرے کو صبر کرنے کی دعوت دینے کی تاکید ہے۔

غرض اس سورۃ میں توحید' رسالت' اور آخرت اور اس کی دعوت کو انتہائی سیدھے سادے اور مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ کا ایک اور قول ہے کہ "اگر قرآنِ حکیم میں سوائے اس سورۂ مبارکہ کے اور کچھ نازل نہ ہوتا تو صرف یہ سورۃ ہی لوگوں (کی ہدایت) کیلئے کافی ہوتی"

پانچویں خصوصیت :-

اس سورۃ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کی نجات اور کامیابی اور ناکامی و خسارے کے خاص اور اہم اوصاف کھلے طور پر بالکل سیدھے سادے اور مختصر انداز میں بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ ہر انسان ان کو آسانی کے ساتھ یاد رکھ سکے یا اس کو یوں سمجھئے کہ تمام انسانوں کی اصل کامیابی اور ناکامی اور ان کے حقیقی نفع و نقصان کا معیار پیش کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام کے پاس اس سورۃ کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ جب دو حضرات آپس میں

ملاقات کرتے تو اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے جب تک کہ وہ آپس میں سورۃ العصر سنا کر وصیت اور نصیحت نہ کرتے۔

چھٹی خصوصیت:-

دین و دنیا کے خسارے سے بچنے اور نفع عظیم حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار چیزوں پر مشتمل ہے، جن میں سے پہلے دو جز اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں اور دوسرے دو جز دوسروں کی ہدایت و اصلاح سے متعلق ہیں۔

امام رازیؒ کا قول ہے کہ اس سورۃ میں بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی تباہی کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ سوائے ان کے جو ان چار شرائط کو پورا کریں یعنی ایمان، عمل صالح، **تواصی بالحق** اور **تواصی بالصبر**۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجات ان چاروں کے مجموعے پر منحصر ہے اور ہر انسان جس طرح اپنی ذات کے بارے میں (ایمان و عملِ صالحے) کا ذمہ دار ہے اسی طرح دوسروں کے بارے میں بھی بعض چیزوں کی فکر رکھنی چاہیئے، جیسے دین کی دعوت، تلقین و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچانے اور صحیح معنیٰ میں
مسلمان بنانے کیلئے ہماری مشہور کتاب
''اولاد کو مسلمان بنانے کا طریقہ''
ضرور پڑھیئے اور اپنی نسل میں اسلام کی حفاظت کیجئے

•••••☆☆☆☆☆•••••

وَالْعَصْرِ (قسم ہے زمانے کی)

"وَ" قسم کے لئے استعمال ہوا ہے اور عصر کے معنی وقت یا زمانے کے ہیں جس کا اصل مفہوم صرف زمانہ ہی نہیں بلکہ تیزی اور برق رفتاری سے گذرنے والا زمانہ ہے۔ بعض مفسرین نے عصر سے یہاں عمر مراد لیا ہے۔ دھر اور عصر میں فرق یہ ہے کہ دھر مجموعیت زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور عصر گذرے ہوئے یا موجودہ تیزی سے گذرنے والے زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

زمانہ یا وقت کیا ہے؟

بات چونکہ وقت کی آئی ہے اس لئے سب سے پہلے وقت یا زمانہ کو سمجھئے کہ وہ کیا چیز ہے؟ وقت نام ہے چاند اور سورج کی گردشت اور ان کی رفتار کی مقدار کا۔ اپنی جگہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ اللہ کی پیدا کردہ ایک گردش ہے اسی گردش کا نام وقت ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس وقت اور زمانے میں کیا کام ہوا ہے اس سے اس وقت اور زمانے کی اہمیت قائم ہوگئی۔ اگر مبارک اور مسعود کام ہوا تو وہ وقت بھی مبارک اور مسعود بنے گا اور اگر نامبارک اور منحوس کام ہوا تو وہ وقت اور زمانہ برباد اور ضائع ہوا اور انسان پر غفلت کی گھڑی گذری۔

بدقسمتی سے قرآن سے دوری کی وجہ سے ہم مسلمانوں نے بھی غیر مسلموں کی ساری باتیں لے لیں، مثلاً ۳ر تاریخ غیر مسعود، ۱۳ر تاریخ نہایت نامبارک، ۱۳ اور ۱۳ کو کوئی کام نہیں کرتے، منگل اور چہارشنبہ کو منحوس دن سمجھتے ہیں۔ غرض دنوں اور تاریخوں میں تاثیر اور اثر مان لئے۔ حالانکہ مسلمان وہ تھے جو دوسروں کیلئے انتہائی نامبارک اور انتہائی منحوس تصور دنوں اور تاریخوں کو اپنے عمل کی برکت سے مبارک و مسعود بنادیا کرتے تھے۔ جنگ بدر کے اصحاب کی تعداد ۳۱۳ ہے وہ بدرین جنکا درجہ بہت عظیم ہے وہ ''۳۱۳'' اصحاب ہیں۔ اگر آپ کے ذہنوں میں وقت یا دنوں یا مہینوں کی کوئی نحوست بیٹھ گئی ہے تو اللہ کے واسطے اسکو اپنے دلوں سے نکال دیجئے۔ کیونکہ اسکا کوئی رشتہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

کوئی دن' کوئی وقت اور کوئی مہینہ منحوس نہیں ہے۔ وہ صرف انسانوں کی بے عملی اور بدکاری سے منحوس بنتا ہے۔ جس دن آپ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں گے تو وہ وقت اور وہ دن آپ کیلئے مبارک ومسعود ہوگا اور اگر آپ اس میں اللہ کی نافرمانی کریں گے تو وہی وقت اور وہی دن صرف آپ کیلئے منحوس' نامبارک اور گھاٹے اور لعنت والا بنے گا۔

انسان کی زندگی کا اصل سرمایہ اور پونجی کیا ہے؟

انسان کی زندگی کا اصل سرمایہ اور پونجی دراصل یہی وقت اور زمانہ ہے جو مہلت عمر کی شکل میں انسان کو ملتا ہے۔ یعنی انسان کی عمر کا پورا زمانہ سال' مہینے' دن' رات' گھنٹے' منٹ اور سکنڈ ہی پر مشتمل ہوتا ہے اور انسان اسی سرمایہ اور پونجی کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کرسکتا ہے۔ گویا والعصر کی آیت انسان کو جھنجھوڑ کر غفلت سے بیدار کرتی ہے کہ غافل انسان! تیرا اصل سرمایہ قیمتی وقت ہے جو تیزی کے ساتھ گذرتا چلا جارہا ہے اور تیری اصل پونجی یہی وقت اور مہلت عمر ہے جو آہستہ آہستہ گھٹتی اور ختم ہوتی جارہی ہے اگر تو نے اس پونجی اور سرمایہ کے ذریعہ اپنی شخصیت کی تعمیر نہ کرلی تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کی ہلاکت و بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہ وقت کی پونجی پھر لوٹ کر واپس آنے والی نہیں ہے۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی : گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹادی

یہاں قسم کھا کر بات کیوں بیان کی گئی ہے؟

عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقت ہی کی قسم کھائی ہے' زمانے ہی کی قسم کھائی ہے' عصر ہی کی قسم کھائی ہے چوں کہ انسان کی گذرتی ہوئی عمر بھی ایک زمانہ ہے اسلئے اللہ نے تیزی اور برق رفتاری سے گذرتے وقت اور زمانہ (یعنی انسان کی عمر) کی قسم کھا کر ایک بات بیان کی ہے

قرآن مجید میں بہت سارے مقامات پر اللہ نے بہت ساری باتیں بغیر قسم کھائے بھی بیان کی ہیں مگر اس سورۃ میں جو بات وہ بیان کررہا ہے قسم کھا کر کیوں بیان کررہا ہے؟

اب سنئے کہ اللہ نے جو قسم کھائی ہے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ قسم ہے تیزی سے گذرتے ہوئے وقت اور زمانے کی یا پھر قسم ہے تیزی سے گذرتی ہوئی عمر اور زندگی کی۔

غور کیجئے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ بغیر قسم کھائے بھی بیان کرسکتا تھا' نعوذ باللہ' اللہ تعالیٰ کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی' اللہ کی ہر بات سچی اور یقینی ہے۔ ہر بات بس سنتے ہی یقین آجاتا ہے کہ بالکل سچی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں اور وہ بغیر کسی تامل (رکاوٹ) کے قبول کرلی جاتی ہے مگر اللہ نے قسم کھا کر اس بات کا یقین کیوں دلایا ہے؟ اللہ نے قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے اپنی کتاب میں اس بات کو قسم کھا کر کیوں بیان کیا ہے؟

قسم کھانے کی عام طور پر دو وجوہات ہوتی ہیں

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ قسم عام طور پر لوگ اس لئے کھاتے ہیں کہ یا تو کہنے والا معتبر نہیں ہوتا' اس لئے اس کی بات پر یقین نہیں کیا جاسکتا' لوگ اس پر شک کرتے ہیں اسلئے قسم کھا کر وہ اپنی بات کو بیان کرتا ہے۔ اس کے برعکس کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہنے والا تو معتبر اور پکّا ہوتا ہے مگر خبر ہی کچھ عجیب سی ہوتی ہے جس پر یقین نہیں آتا۔

غرض کبھی بات کہنے والے کو دیکھ کر شک ہوتا ہے اور کبھی بات ہی ایسی ہوتی ہے کہ بات پر شک ہوتا ہے' کہنے والے پر شک نہیں ہوتا۔ یعنی خبر ہی کچھ ایسی ہوتی ہے جس کو ماننے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔

مگر قرآن کی تعبیر کا ایک خاص انداز ہے۔ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے خاص معیار ہیں' یاد رکھئے اللہ تعالیٰ جو قسم کھاتے ہیں وہ اس لئے نہیں کہ ان کی کہی ہوئی بات پر کوئی شک ہوسکتا ہے' لیکن جو بات وہ فرمارہے ہیں وہ ایسی عجوبہ اور ایسی حیرت ناک ہے کہ اگر آدمی اس امر پر نظر نہ کرے کہ کون کہہ رہا ہے تو خبر پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی بات کو قسم کے ساتھ' تاکید کے ساتھ زور دے کر کہتا ہے تاکہ انسانوں کو کسی قسم کا کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور انسان اس بات کو پورے یقین کے ساتھ اپنے دل میں بٹھالے۔

گویا قسم کھانے سے کلام انتہائی مؤکد ہوگیا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ جو بات بتائی جارہی ہے وہ انتہائی یقینی اور تمام شکوک وشبہات سے منزہ اور مبرا ہے۔ یعنی یقیناً (پوری غافل) نوعِ انسانی بحیثیت مجموعی گھاٹے اور خسارے سے دوچار ہونے والی ہے۔ ہلاکت و تباہی کا نوالہ بننے والی ہے۔ غرض اس بات کو جتلانے کیلئے قسم کھائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم اس کی عظمت یا اس کے کمالات وعجائب کی بنا پر نہیں کھاتا بلکہ اس بنا پر کھاتا ہے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے جسے ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے، پس یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قسم کا مطلب یہ ہوا کہ زمانہ اور عمر اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ (غافل) انسان بڑے گھاٹے اور خسارے میں ہے۔

زمانے کا لفظ گذرے ہوئے زمانے کیلئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور موجودہ تیزی سے گذرنے والے زمانے کیلئے بھی کیا جاسکتا ہے۔ وقت ایک ایسی گردش ہے جسکا ہر منٹ اور ہر سکنڈ آکر ماضی میں تبدیل ہوتا چلا جارہا ہے۔ یہاں چوں کہ مطلقاً زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ اسلئے گذرے ہوئے زمانے کے اچھے بُرے واقعات کو پوری طرح یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف موجودہ زمانے کی تیز رفتاری اور برق رفتاری میں گذرتے ہوئے واقعات کی طرف بھی متوجہ کراتا ہے

زمانے اور وقت کی قسم کیوں کھائی گئی؟

سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانے اور وقت کی قسم کیوں کھائی ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اس ''قسم'' سے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ گذرے ہوئے وقت کے ان تاریخی واقعات کی طرف انسانوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہے جو قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفوں اور تاریخی واقعات میں بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری طرف موجودہ زندہ انسانوں کو اپنے اپنے گذرے ہوئے وقت اور عمر کی غفلت کی طرف توجہ دلا رہا ہے تاکہ وہ غفلت سے جاگیں اور برق رفتاری اور تیز رفتاری سے گذرتی ہوئی عمر اور وقت اور زمانے سے فائدہ اٹھائیں۔ انسان کو انسانی تاریخ اور پچھلے انبیاء کی کتب پر نظر رکھتے ہوئے اس سورۃ کی تلاوت کرنی چاہئے کہ گذشتہ قوموں اور امتوں پر جو لوگ اپنے اپنے زمانوں اور وقتوں میں اپنی آزادی عمر اور مہلت وقت کا صحیح استعمال کیا تو وہ کیسے باعزت اور کامیاب اس دنیا سے گذر کر اپنے کو ہمیشہ ہمیشہ کے نفع اور فائدہ میں رکھے اور جنہوں نے اپنی اس مہلت اور وقت کی آزادی کا غلط استعمال کیا وہ کیسے عظیم گھاٹے اور خسارے میں رہے۔ انسانی تاریخ بھی خود اس بات پر گواہ ہے اور موجودہ زندہ انسان بھی اپنے اپنے گذرے ہوئے زمانوں پر شاہد اور گواہ ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے وقت، زمانے اور عمر ہی کی قسم کھا کر بات کو بیان کیا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

بے شک تمام انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں

اب غور کیجئے کہ کیا بات بیان کی جارہی ہے۔؟قسم کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کیا ہے؟ ''اِنَّ'' بھی لے آئے اور ''لام'' تاکید بھی' یعنی تاکید کی آخری سرحد تک پہنچادیا۔عربی زبان میں کسی بات کو زور تاکید اور اہمیت کے ساتھ پورا یقین دلانے کیلئے جتنے ہتھیار ہیں وہ سارے ہتھیار استعمال کرڈالے'' والعصر'' کے ذریعہ قسم کھائی' اس کے بعد ''اِنَّ'' لائے (بے شک' تحقیقاً' یقیناً بلا کسی شک وشبہ کے) اور پھر''لام'' تاکید سے زور پیدا کردیا اور الفاظ کتنے مختصر ہیں' بیشک انسان' آدمی سراسر گھاٹے میں ہے۔ پورے کے پورے انسان' پوری انسانیت سراسر گھاٹے اور خسارے یعنی LOSS میں ہے۔

اب سوچئے یہ بات ایک غافل انسان کو کیسے سمجھ میں آئے گی؟ چھوڑ دیجئے کہ کون کہہ رہا ہے۔ابھی مت سوچئے کہ کس نے یہ بات کہی ہے۔اگر اچانک یہ بات ایک عام دنیادار انسان کے کانوں میں پہنچتی ہے کہ پوری کی پوری انسانیت سراسر گھاٹے اور خسارے میں ہے' قطعی نقصان میں ہے۔بالکل ٹوٹے ہی ٹوٹے میں ہے کہیں پر اسکے نفع کے حالات نظر نہیں آرہے ہیں تو ایک عام اور دنیادار آدمی کا جی ماننے کو نہیں چاہے گا اور وہ تعجب اور حیرت کے ساتھ سوچے گا کہ کیسے سمجھا جائے کہ انسان' پوری کی پوری انسانیت گھاٹے اور خسارے میں ہے

غافل انسان جو کچھ دیکھتا ہے اُسی کو سب کچھ سمجھتا ہے

جیسے ہی اس کے کانوں میں یہ آواز پہنچتی ہے وہ فوراً سوچتا ہے کہ انسان تو لاکھوں میں کھیل رہا ہے' کروڑوں میں کھیل رہا ہے' بلڈنگیں بنارہا ہے' ایرکنڈیشن مکانات بنارہا ہے' راکٹ تیار کرکے چاند پر جارہا ہے' مریخ پر ڈورے ڈال رہا ہے' آدمی کیا نہیں کررہا ہے؟

کبھی پیدل چلتے چلتے اس کے پاؤں میں چھالے پڑجاتے تھے' اس نے گھوڑا گاڑی تیار کی' آگے ترقی کرکے پٹرول کے چشمے تلاش کئے اور پھر تیز رفتار سواریاں' موٹریں تیار کیں اور ہوائی

جہاز ہوا میں اڑا ڈالے' ریل کی پٹریاں بچھا ڈالیں' ٹرینیں اس پر دوڑا دیئے' جو راستہ مہینوں اور برسوں میں طے ہوتا تھا وہ اب گھنٹوں اور منٹوں میں (دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے) میں طے کر رہا ہے تو انسان کی زندگی گھاٹے میں کہاں ہے وہ تو ترقی پر ترقی کرتا ہی جا رہا ہے۔

پچھلے زمانے میں ایک ملک کے حالات دوسرے ملک والوں کو مہینوں اور برسوں میں معلوم ہوتے تھے' کوئی کسی سے خط کے ذریعہ بات کرنا چاہتا تو مہینوں میں خطوط ایک مقام سے دوسرے مقام جاتے' لیکن اب تو انسان کی ترقی کا یہ حال ہے کہ وہ گھر بیٹھے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں بات کر رہا ہے اور ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعہ منٹوں میں دوسرے مقامات کے حالات دیکھتا اور سنتا ہے۔ غرض انسان تو اتنی سہولت اور آرام سے زندگی گذار رہا ہے' ترقی پر ترقی کرتا جا رہا ہے کہ کہیں پر گھاٹا اور نقصان نظر نہیں آتا۔

پچھلے زمانے میں کسان کنویں' تالاب' ندی اور نالے سے جانوروں کے ذریعہ دن بھر پانی کھینچ کر زمین پر ہل جوتتا تھا اور مختصر سا غلہ اور اناج حاصل کرتا تھا لیکن آج انسان کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ اس نے زراعت کی ریسرچ یونیورسٹیاں قائم کر رکھی ہیں۔ زمین اور زراعت پر ریسرچ کرتے ہوئے ایسی ایسی کھادیں جس سے کثرت سے پھل آتے ہیں اور ایسے ایسے ٹریکٹر اور مشینیں تیار کی ہیں کہ جس سے سینکڑوں ایکڑ زمین آسانی سے جوتی جا رہی ہے اور جگہ جگہ بورویل اور پانی کھینچنے والی مشینوں کے ذریعہ ہزاروں ایکڑ زمین کو سیراب کیا جا رہا ہے اور ہزاروں ٹن غلہ حاصل ہو رہا ہے۔ پہلے ایک پودے سے اگر ایک کلو اناج نکلتا تھا تو آج اسی ایک پودے سے کھاد کے ذریعہ دس کلو اناج حاصل کر رہا ہے' یہ کونسا گھاٹا اور خسارہ ہے؟ انسان تو دن بہ دن ترقی کر رہا ہے۔

پچھلے زمانے میں طوفان اور سیلاب آتے اور انسانوں کو بہا لے جاتے۔ اس نے دریاؤں اور ندیوں پر پل باندھے اور پانی کو روک کر بڑے بڑے ڈیم بنا ڈالے اور پھر سمندروں میں چلنے کا راستہ تلاش کیا' ہزاروں ٹن وزنی جہاز اس پر چلا رہا ہے۔ گویا سمندر اس کیلئے مسخر ہیں' پانی اسکے قابو میں ہے' اسی پانی سے بجلی تیار کر رہا ہے' پچھلے زمانے میں گاؤں تو گاؤں شہروں میں بھی اندھیرا ہی اندھیرا رہتا تھا لیکن آج اس نے محنت کر کے ایسی ترقی کی ہے کہ ہر طرف رات

کی تاریکی کو اجالے میں بدل دیا ہے۔اسی بجلی کی وجہ سے ہزاروں فیکٹریاں اور مشینیں چل رہی ہیں۔کہاں انسان گھاٹے میں ہے؟ یہ تو بالکل عقل میں آنے والی بات ہی نہیں۔

موجودہ زمانے میں ہر چیز کی انڈسٹری بن رہی ہے' بڑے بڑے پہاڑ تراش کر آسمان سے باتیں کرنے والی بڑی بڑی عمارتیں پہاڑوں کی مانند زمین پر کھڑی کر رہا ہے' کہیں شیشوں کا کام کیا جا رہا ہے' اور اب تو ترقی کر کے کہیں اسٹیل اور پلاسٹک کو استعمال کر رہا ہے اور ہر چیز لوہا اور لکڑی کے بجائے پلاسٹک کی بنا رہا ہے۔غرض چاروں طرف اسکی راحت اور عیش کا سامان پھیلا ہوا ہے۔پھر انسان گھاٹے میں کسطرح ہے؟ یہ تو بالکل عقل میں آنے والی بات نہیں۔

انسان کماتا ہے' خوب کماتا ہے' بینک اس کے چل رہے ہیں اور اس میں خوب بیالنس جمع کر رہا ہے' بڑے بڑے سودی قرضے دے رہا ہے' تجارت انسان کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے۔غرض غافل اور دنیا دار انسان اسی طرح سوچتا ہے کہ انسان گھاٹے اور نقصان میں کہاں ہے؟ یہ تو کچھ عجیب بات ہے' سمجھ میں قطعی نہیں آتی' لیکن اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ ہاں تم گھاٹے اور خسارے میں ہو۔اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

آج اس کی سائنس وٹکنالوجی کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ وہ ایسی ایسی مشینیں ایجاد کیا ہے جس سے دنیا کے ہر گھر میں کون کون رہتا ہے۔کہاں چھپا ہوا ہے معلوم کر سکتا ہے۔زمین پر طوفان' زلزلے' کب اور کس وقت آئیں گے معلوم کر رہا ہے۔انسان کو بیہوش کئے بغیر سرجری کی جا رہی ہے' اس کے خون اور دل کو تبدیل کیا جا رہا ہے۔پلاسٹک سرجری کر رہا ہے۔اب تو ترقی کا یہ عالم ہے کہ مجرم کے دل کی باتیں کمپیوٹر پر معلوم کر رہا ہے اور جہاں ایک انسان کام کرتا تھا اب کمپیوٹر کے ذریعہ سو دو سو آدمیوں کا کام نکال رہا ہے۔انسان کہاں گھاٹے میں ہے اس کی زندگی میں تو کہیں پر بھی خسارہ نظر نہیں آ رہا ہے۔

غافل انسانوں کے نزدیک کامیابی اور ناکامی کا تصور

زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا کی آبادی کا وہ حصہ جو غافل اور دنیا دار نادان انسانوں پر مشتمل رہا اور ہے' ہر زمانہ اور ہر وقت میں ان کے نزدیک ''فلاح اور خسران'' کا غلط تصور قائم

رہا ہے اور قائم ہے' غافل انسان اپنی اس دنیا کی عارضی اور محدود خوشحالی کو فلاح سمجھتے ہیں' حالانکہ وہ فلاح نہیں ''خسران'' ہے اور جو حقیقی ''فلاح'' ہے اس سے وہ یا تو بالکل واقف ہی نہیں یا پھر جان بوجھ کر غافل بنے ہوئے ہیں۔

''فلاح'' دراصل حقیقی اور پائیدار کامیابی اور خوشحالی کو کہتے ہیں' دنیا میں جتنی بھی سہولتیں اور آرام ملتا ہے وہ عارضی اور مختصر ہوتا ہے' حقیقی اور پائیدار نہیں ہوتا مگر آخرت سے غفلت کی وجہ سے اکثر انسانوں کے نزدیک فلاح اور کامیابی کا ایک محدود مادّی تصور قائم ہوگیا ہے۔

بس ایسے انسانوں کے نزدیک کسی بھی انسان کو مرغن غذائیں' عمدہ اور بھاری لباس' عالیشان بنگلہ یا کوٹھی مل جائے یا کسی کو خوب کمانے والی اولاد اور جائیداد' مال و دولت سے نوازا جائے یا کسی کو معاشرے میں نام ونمود' اثر ورسوخ' عہدۂ واقتدار حاصل ہوجائے وغیرہ وغیرہ تو اسی کو وہ فلاح و کامیابی سمجھتے ہیں اور جو اس سے محروم رہ گیا وہ ناکام و نامراد رہا' ہر زمانہ اور ہر وقت میں دنیا کے غافل انسانوں کے دل و دماغ پر کامیابی اور ناکامی کا یہی تصور رہا اور ایسے انسانوں کی زندگی اس بات پر گواہ ہے کہ وہ ان ہی چیزوں کو اہم اور ضروری سمجھتے ہوئے ان کو حاصل کرنے کی کوشش میں اپنی ساری طاقت' سارا وقت اور سارا خون پسینہ لگا دیتے ہیں' ان کے اندھے پن کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے میں صحیح اور غلط' حلال یا حرام' جائز وناجائز کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتے' ان کی زندگی کے سارے اوقات کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی طرح دنیا اور دنیا کی چمک دمک' دنیا کی عزت اور دنیا کا عیش وآرام بے انتہا حاصل کرنا چاہتے ہیں نیز ان کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ وہ بس دنیا ہی کیلئے جینا چاہتے ہیں' یعنی ان کا جینا بس دنیا ہی کے لئے نظر آتا ہے۔ان کا ضمیر اتنا مرجاتا ہے کہ ان کو گناہوں کی زندگی میں خوب لذت اور مزہ آتا ہے۔نیکی اور تقویٰ کے کاموں سے وہ گھبراتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں۔ان کی طبیعت اتنی مسخ ہوجاتی ہے کہ بری چیز بھی ان کو اچھی لگنے لگتی ہے۔ایسے انسان خدا کی زمین پر زندگی گذارتے' اسی کے آسمان کے نیچے سوتے اور اسی کی ہوا اور پانی اور غذائیں استعمال کرتے ہیں مگر نہ اپنے مالک کو مانتے اور نہ اس کے حکموں پر زندگی گذارتے ہیں بلکہ اپنے پیدا کرنے والے سے غافل ہوکر اس کی بغاوت اور نافرمانی میں

زندگی گذارتے ہیں اور دنیا کے بعد کوئی اور زندگی کا تصور ہی نہیں رکھتے یا رکھتے بھی ہیں تو یقین نہیں ہوتا۔ یا پھر اللہ کے علاوہ بتوں، علموں، جھنڈوں، درگاہوں کو بھی خدائی میں شریک کر کے شرکیہ زندگی گذارتے ہیں ۔بس ایسے ہی انسانوں کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ بے شک تمام (ایسے) انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں اور خسارے اور گھاٹے سے دوچار ہونے والے ہیں۔

لفظ ''خسران'' ضد ہے ''فلاح'' کا، خسران کا وسیع مفہوم (گھاٹے اور خسارے کے ہیں) گھاٹا اور خسارہ قرآنی اصطلاح میں کامل تباہی و بربادی کو کہتے ہیں۔ اسی کو سورۂ زمر آیت ۱۵ میں خسرانِ مبین سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَاَھْلِیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط اَلَا ذٰلِکَ ھُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ○	آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً خسارہ میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے خود کو اور اپنے متعلقین کو قیامت کے دن خسارہ میں ڈال دیا، یاد رکھو یہی صریح خسارہ ہے

اُردو زبان میں دیوالیہ ہونا اس چیز کو کہتے ہیں کہ کاروبار میں انسان کا لگایا ہوا سارا کا سارا سرمایہ ڈوب جائے اور بازار میں اس تاجر پر دوسروں کے مطالبہ اتنے چڑھ جائیں کہ اپنا سب کچھ دے دینے کے بعد بھی وہ ان مطالبات سے چھٹکارا نہ پا سکے۔ بس اسی کیفیت کو بیان کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے خسرانِ مبین کا لفظ استعمال فرمایا۔

انسان کو زندگی، عمر، عقل، جسم، قوتیں، قابلیت، مال و دولت، اولاد وغیرہ کی شکل میں دنیا میں دی گئی ہے اور ان سب کا مجموعہ دراصل وہ سرمایہ ہے جسے وہ حیات دنیا کے کاروبار میں لگاتا ہے، یہ سارا سرمایہ اگر کسی غافل اور نادان انسان نے اس بات پر لگا دیا کہ کوئی میرا خدا نہیں اور نہ مجھے کسی نے پیدا کیا ہے، میں خود بخود پیدا ہو گیا یا میرے کئی خدا ہیں، اسی کی وجہ سے میری زندگی چل رہی ہے، کوئی میرا حساب لینے والا نہیں، یا حساب و کتاب کے وقت فلاں خدا کا بیٹا یا بیٹی یا فلاں شریک آ کر مجھے بچا لے گا یا میں دنیا میں آزاد ہوں جو چاہوں کرتا پھروں، میں تو بس نفس اور خواہش کی غلامی کرونگا یا حق کو جانتے ہوئے حق کے خلاف زندگی گذارے تو اس کے معنی یہ

ہیں کہ ایسے انسانوں نے گھاٹے اور خسارے کا سودا کیا اور اپنا سب کچھ ڈبو دیا۔

دوسرا خسران یہ ہے کہ اس غلط طریقے زندگی اور روش پر جتنے بھی کام کئے ان سب میں وہ اپنے نفس پر بھی اور دنیا کے بہت سے انسانوں اور آئندہ نسلوں اور اللہ کی دوسری بہت سی مخلوق پر عمر بھر ظلم کرتے ہوئے ان کو گناہ اور بغاوت کا راستہ دکھاتا رہا اور گمراہ کرتا رہا اس لئے اس پر بے شمار مطالبات چڑھ جائیں گے مگر اسکے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا کہ وہ ان مطالبات کو ختم کر سکے اور چھٹکارا پا سکے۔ اس پر مزید خسران یہ ہے کہ وہ خود ہی نہیں ڈوبے گا بلکہ اپنے ساتھ اپنی بیوی' بچوں' عزیز و اقارب' دوست و احباب بلکہ قیامت تک آنے والا ہر وہ انسان جو اس کی غلط تعلیم و تربیت اور گناہ کی ترغیب کا شکار ہوا' ان کو بھی لے ڈوبے گا۔

یہاں لفظ خیر یا خسارے سے مراد یہ بھی ہے کہ انسان کو اس دنیا کی معمولی اور چند گنے چنے دنوں کی آزمائشی زندگی کے ذریعہ انتہائی قیمتی اور ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کو حاصل کرنے کا موقع دیا جانا کوئی معمولی انعام نہیں۔ اگر انسان اس معمولی اور چند روزہ گنی چنی امتحانی آزاد زندگی کو شیطانی چالوں میں پھنسا کر اور نفسانی خواہشات کا شکار ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کی وراثت سے محروم ہو بیٹھے تو یہ بھی کوئی معمولی خسارہ نہیں۔ انسان کو اس تجارت پر غور کر کے سمجھنا چاہیئے کہ اسے انتہائی سستے داموں میں انتہائی قیمتی اور لازوال نعمت مل رہی ہے۔ جسے وہ اپنی غفلت' نادانی اور بے وقوفی سے گنوا رہا ہے۔

دنیا کی زندگی میں اگر کوئی بادشاہ اپنے نوکر سے یہ کہے کہ وہ اگر دس دن کی غلامی کر لے گا تو اسے وہ اپنے ملک کے فلاں فلاں سرسبز و شاداب' نوکر چاکر' مزے دار نعمتوں والے حصوں کا وارث بنا دے گا۔ اب اگر وہ انسان دس روز غلامی کرنے اور آئندہ ملنے والے عیش و آرام اور مرتبہ کو بھول کر یا بادشاہ پر یقین نہ کر کے آج کے مزے' نفع پر رال ٹپکا کر بادشاہ کی نافرمانی اور بغاوت کرے اور بادشاہ کے علاوہ دوسروں کو بھی بادشاہ مانے تو پھر وقت گذر جانے کے بعد وہ سوائے افسوس ہی افسوس کے ہاتھ ملتا رہے گا اور بادشاہ اس کو جیل میں ڈال کر سزائیں بھی دے گا۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ کتنا زبردست آسان سودا اور تجارت تھی جس میں اس کو پانچ دن سونا' پانچ دن جاگ کر صرف پانچ دن کی اطاعت تھی جس کو اس نے اپنی بے وقوفی اور نادانی سے گنوا ڈالا۔

غافل انسانوں کو دنیا کی حقیقت سمجھنا چاہیئے

جب ایک انسان دنیا میں آیا ہے اور اللہ نے اس کو عقل و شعور عطا فرمایا تو عقلمندی اور سمجھداری کا تقاضہ ہے کہ وہ سب سے پہلے دنیا کو اور دنیا کی حقیت کو سمجھے کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟ اور کہاں جارہا ہے؟ جب تک ان سوالات کے جوابات معلوم نہ ہوں گے اس وقت تک زندگی کا مقصد سمجھ میں نہیں آئے گا' افسوس ہے کہ آج انسان ریسرچ کر کے کائنات کی ہر چیز کے مقصد کو جاننے اور پہچاننے کی کوشش کررہا ہے مگر خود اپنی زندگی کے مقصد سے ہی غافل بنا ہوا ہے۔ دنیا میں جب یہی انسان ایک ملک سے دوسرے ملک کو جاتا ہے تو اس کو دوسری جگہ جانے کا مقصد معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنا وقت اسی مقصد کے تحت گذارتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کو دنیا میں آنے کا مقصد معلوم ہوجائے تو وہ بے مقصد زندگی نہیں گذارے گا۔ (ہماری کتاب ''تعلیم الایمان'' زندگی کا مقصد کیا ہے پڑھیئے)۔ اب ایسا انسان جو دنیا میں آکر بے مقصد زندگی گذار رہا ہے اس کے کانوں میں جیسے ہی یہ آواز پڑے گی کہ وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ قسم ہے (تیزی سے گذرتی ہوئی زندگی کی) کہ سارے انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں تو ایسے غافل انسان کی عقل میں یہ بات سمجھ میں ہی نہیں آتی اور وہ سوچتا ہے کہ کیسے اور کہاں انسان گھاٹے اور خسارے میں ہے۔ یہ تو بالکل عجیب بات ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں سے یہ پوچھ سکتا ہے

اب اگر یہ غافل اور نادان انسان اسی انداز سے سوچتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی اس تاکید پر یقین نہیں کیا تو یوں سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں سے کہتا ہے ! بے شک اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا مکان بناؤ' جتنا بھی ممکن ہو سکے اپنے گھر میں ٹھنڈک اور گرمی کا انتظام کرلو' آرائش و زیبائش کا سارا سامان کرلو' چاند اور مریخ تو کیا اس سے بھی آگے بڑھ کر دوسرے سیاروں کی تحقیقات کرلو' یہاں تک کہ سائنس اور ٹکنالوجی کے ذریعہ ایک مردہ انسانی جسم سے کوئی عضو دوسرے زندہ شخص کے جسم میں منتقل کرلو' ایسی ایسی مشینیں اور دوربینیں ایجاد کرلو کہ دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر دوسرے کونے کو یا خلاء کے حصوں کو دیکھ لو' یہ سب میں مانتا ہوں لیکن یہ سب کچھ

ماننے کے بعد میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی تم میں سے ایسا انسان بھی ہے جو کہے کہ مجھ پر موت نہیں آسکتی۔ یا یہ کہے کہ میں اپنی زندگی کے گذرتے ہوئے وقت اور زمانہ کو کچھ وقفے کیلئے روک دوں گا اور اپنی عمر کو بڑھالوں گا۔

ابتداء سے لے کر آج تک کوئی ایک انسان ایسا بتاؤ جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ میرے بینک بیالنس نے میری موت کو روک دیا یا روک دے گا' سائنس وٹکنالوجی کی ترقی میری موت کو روک دے گی' چاند اور مریخ پر جا کر میں اپنی موت سے بچ جاؤں گا۔ یا سمندر کی تہہ' زمین کی گہرائی میں جا کر موت سے چھٹکارا حاصل کرلوں گا یا پھر فضاؤں میں اڑ کر میں موت کی سرحد پار کر جاؤں گا یا پہاڑوں کے غار میں چھپ کر میں موت سے محفوظ رہوں گا۔

تاریخ گواہ ہے' انسان کی عمر اور تیزی سے گذرتا ہوا وقت موت کے پنجے کا شکار ہوا' زمانہ گواہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا پہلوان اپنی طاقت سے موت کو نہیں روک سکا' کوئی بادشاہ اپنی حکومت' ہتھیار اور فوج کی طاقت کے باوجود موت کو نہیں روک سکا' کوئی دولتمند اپنی دولت کی افراط کے باوجود موت کو نہیں روک سکا' یہاں تک کہ بڑے سے بڑا کوئی سائنسداں اپنی لاکھ سائنس وٹکنالوجی کی ترقی کے باوجود موت کو روک نہیں سکا اور نہ آئندہ کبھی روک سکے گا۔

غرض دولت مند کی دولت' سائنس کی ترقی اور حکومت کی طاقت کوئی چیز بھی موت کو نہیں روک سکتی اور دنیا کی ابتداء سے آج تک انسانوں کی زندگی گواہ ہے کہ ہر بڑے' چھوٹے' مرد وعورت' جوان و بوڑھے' بچہ غرض ہر ایک کے سر پر موت کی تلوار لٹکتی رہی اور لٹک رہی ہے' عجیب بات ہے کہ انسان کے پاس دنیا میں سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود موت کے بعد کچھ بھی اپنا باقی نہیں رہتا اور وہ دنیا چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

انسان ہر روز اپنے سامنے ہزاروں انسانوں کو مرتا ہوا دیکھتا ہے اور بہت سے لوگوں کو خود بھی اپنے ہاتھوں سے دفن کرتا یا جلا دیتا ہے مگر پھر بھی موت سے غافل ہی غافل بنا رہتا ہے' کبھی غور نہیں کرتا کہ یہ سب انسان زندگی کے ایسے قیمتی وقت اور زمانے سے کیوں محروم کر دیئے گئے۔ آخر یہ انسان' دولت' قوت' عہدہ واقتدار' عزت' عیش وآرام' شہرت ونام ونمود رکھتے ہوئے بھی اس دنیا کی زندگی کو چھوڑ کر کہاں غائب ہوتے جارہے ہیں۔

ہر روز مرتے ہوئے انسانوں کو دیکھ کر بھی زندگی والا انسان غافل ہی غافل بنا ہوا ہے اور اس کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ جب انسان اس موت کا مزہ چکھتا ہے تو مرتے ہی اس کا مال و دولت دوسروں میں تقسیم کر دی جاتی ہے' اس کے بنگلے اور کوٹھی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اور کوئی دوسرا اس کا مالک بن جاتا ہے' اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے شادی کر لیتی ہے یہاں تک کہ اس کے کپڑے جو وہ پہنتا تھا دوسروں کو خیرات کر دیئے جاتے ہیں۔

غرض ہر انسان کی زندگی دنیا میں مختصر اور عارضی تھی اور ہے مگر پھر بھی اکثر انسان موت کو دیکھ کر موت سے سبق حاصل ہی نہیں کرتے' بس غافل ہی غافل بنے رہتے ہیں۔ جیسے کہ ان کو موت کبھی نہیں آئے گی۔ ایک کافر انسان جو دنیا میں خدا کے نظر نہ آنے کی وجہ سے خدا کا انکار کرتا ہے وہ بھی جب موت کو دیکھتا ہے تو غافل کا غافل ہی رہتا ہے حالانکہ اس کو اللہ نے عقل و شعور دیا ہی اسلئے ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز پر غور و فکر کر کے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے۔ کافر انسان جب کسی انسان پر موت کی حالت کو دیکھتا ہے تو اسے یہ بات کیا سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ ہر انسان پر مختلف موقعوں' مختلف حالات اور مختلف عمروں میں موت کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک انسان خود بخود پیدا نہیں ہوا بلکہ کسی نے اسے ایک خاص وقت اور زمانے میں ایک خاص مہلت زندگی کے ساتھ بھیجا تھا' اور پھر ایک خاص مدت کے بعد دنیا کی سب چیزیں موجود ہونے کے باوجود اس کو اس دنیا کی زندگی کے ہر لمحات سے محروم کر دیا' اس کافر انسان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ایک دن مجھ پر بھی یہی حالات پیدا ہونے والے ہیں اور مجھے بھی دنیا چھوڑنا پڑے گا۔ دنیا چھوڑ کر دوسری دنیا میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ موت ہی ہے اور موت کے بعد ایک دوسری زندگی کا آغاز ہوگا' اگر انسان خود بخود پیدا ہوتا تو سب کے سب ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت میں مرتے' انسان کی زندگی پر غور کیجئے' معلوم ہوگا کہ ہر انسان دنیا میں آنے پر بھی مجبور ہے اور دنیا سے جانے پر بھی مجبور ہے۔

انسان کو صرف انسان کا جسم نظر آتا ہے (آتما) روح نظر نہیں آتی' حالانکہ انسان کو اللہ نے دو چیزوں سے سرفراز فرمایا ہے' جسم اور آتما (روح) اور انسان بس ظاہری چیز کو دیکھتے ہوئے اس کو یا تو دفن کر دیتا ہے یا جلا دیتا ہے اور دھوکہ کھاتا ہے کہ بس انسان کی زندگی اتنی ہی تھی جو ختم

ہوچکی وہ قطعی یہ نہیں سوچتا کہ جسم کو تو میں جلا رہا ہوں' روح کہاں چلی گئی' وہ روح کو تو ختم نہیں کر سکا۔ جسم کو جلا کر یہ سوچ رہا ہے کہ زندگی بس اتنی ہی تھی کہ ختم ہوگئی۔

اسی طرح وہ انسان جو اپنے عقیدہ میں کئی خداؤں کا تصور رکھتا ہے' اس کو بھی یہ بات سوچنی چاہیئے کہ دنیا میں کوئی انسان جب ایک مشین بناتا ہے اور چلاتا ہے تو اس مشین کے چلانے اور روکنے کا بٹن بھی اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ غرض وہ اکیلا ہی اس کی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کو پیدا کرنے والا انسان کو پیدا کر کے جب چاہے اور جتنا چاہے اس کو اس دنیا میں چلنے کا موقع عطا کرتا ہے اور پھر وقت پورا ہونے کے بعد چلنے سے روک دیتا ہے۔ غرض پیدا کرنے کا بھی اسی کو اختیار ہے اور مارنے کا بھی' وہ اکیلا ہی مختار ہے اگر کئی خدا ہوتے تو ایک انسان کی موت کیسے واقع ہوسکتی تھی کیونکہ اس انسان کی موت کیلئے ہر خدا کا راضی ہونا ضروری تھا مگر افسوس کہ ایک مشرک انسان بھی موت کو ہر روز اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے پھر بھی اس کو کائنات میں اکیلی قدرت نظر نہیں آتی۔ وہ مشرک کا مشرک رہتا ہے حالانکہ وہی شخص اپنی بیوی کیلئے کئی شوہر اور بیٹے کیلئے کئی باپ پسند نہیں کرتا وہ خود بھی جانتا ہے کہ اپنی اولاد کی ضروریات وہ خود ہی اکیلا پوری کرتا ہے مگر اپنے خالق اور مالک اور پروردگار کے تعلق سے ایک خدا کا نہیں بلکہ کئی خداؤں کا تصور رکھتا ہے۔ غور کیجئے یہ گمراہی نہیں تو اور کیا ہے' گھاٹا اور خسارہ نہیں تو اور کیا ہے؟ بے شک ایسے انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں اور گھاٹے اور خسارے سے دوچار ہونے والے ہیں۔

دنیا میں بہت سارے انسان ایسے ہیں جو خدا کو تو مانتے ہیں مگر جانتے بوجھتے خدا کی نہیں مانتے' نفس اور خواہش کے غلام بنے رہتے ہیں' انسانی کلچر کو چھوڑ کر جانوروں کی طرح زندگی گذارتے ہیں' حالانکہ ہر روز اپنے ہاتھوں سے کئی انسانوں کو دفن کرتے ہیں مگر پھر بھی غافل ہی غافل بنے رہتے ہیں۔ موت کو دیکھ کر بھی ان کو اپنی زندگی کی بربادی اور تباہی سمجھ میں نہیں آتی یا آتی بھی ہے تو پرواہ نہیں کرتے' کسی انسان کی موت کو دیکھتے بھی ہیں تو بے نمازی سے نمازی نہیں بنتے' ہر روز حرام کھاتے' حرام پہنتے اور حرام دیکھتے' حرام سنتے ہیں مگر موت کو دیکھنے کے باوجود حرام نہیں چھوڑتے' بے پردہ اور بے حیائی کے ساتھ سڑکوں پر گھومنے والی کسی کی موت کو دیکھنے کے باوجود باپردہ اور حیادار زندگی اختیار کرتی ہوئی نظر نہیں آتیں۔ غرض ایسے انسان

موت کو دیکھنے کے بعد نہ اپنے گناہ چھوڑتے اور نہ فوراً توبہ کر کے نیکیوں کی طرف لوٹتے ہیں بلکہ بے حس کے بے حس بنے رہتے ہیں اور آخرت کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں کرتے ۔غور کیجئے کہ یہ گھاٹا اور خسارہ نہیں تو اور کیا ہے؟

افسوس کہ یہ انسان کی کیسی نادانی ہے کہ وہ زمانہ کی اس بے وفائی سے واقف ہونے کے باوجود اس پر بھروسہ کرتا اور زندگی کے عارضی پن' قیامت کے حساب وکتاب' جزاء اور سزا کے قانون سے غافل ہی غافل رہتا ہے' ایسے سارے غافل انسانوں کیلئے اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں قسم کھا کر اس بات کا اعلان فرماتے ہیں کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ یہ سارے کے سارے انسان گھاٹے اور ٹوٹے میں ہیں اور گھاٹے اور خسارے سے دوچار ہونے والے ہیں۔

دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے

ایسے انسانوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اللہ نے تمام انسانوں کو اس دنیا میں امتحان اور آزمائش کیلئے بھیجا ہے ۔انسان اپنے باپ کی ریڑھ کی ہڈی سے ماں کے پیٹ میں منتقل ہوا' وہاں پر دنیوی جسم حاصل کر کے دنیا میں منتقل ہوا' پھر دنیا میں مختصر' عارضی اور امتحانی زندگی گذار کر وہ اس دنیا سے بھی موت کے ذریعہ دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے' جسکا نام آخرت ہے' وہاں اس سے دنیا کی زندگی کا حساب لیا جائے گا ۔غرض دنیا اسکا اصلی ٹھکانہ یا منزل نہیں ۔جیسے ریل گاڑی ایک مقام سے نکل کر دوسرے مقام کو جاتی ہے اور راستے میں مختلف اسٹیشنوں پر مختلف ضرورتوں کیلئے مختصر وقت کے ساتھ رکتی ہے اور پھر منزل پر پہنچ جاتی ہے بس انسان کی زندگی بھی سفر پر ہے اور اس کو اپنی منزل جنت تک جانے کیلئے مختلف جگہوں پر مختصر مختصر وقت کیلئے ٹھہرنا پڑتا ہے' مثلاً کہیں جسم حاصل کرنے کیلئے کہیں اس جسم کے ساتھ امتحان دینے کیلئے' کہیں حساب کتاب دینے کیلئے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے (جس کا مفہوم یہ ہے کہ) مجھے دنیا (کی آسائش) سے کیا غرض؟ میری اور دنیا کی مثال ایک سوار کی ہے کہ اس نے ایک درخت کے سائے میں آرام کیا اور اسے چھوڑا اور چلتا بنا (ترمذی)

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط وَھُوَالْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (الملک : ۲)

جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔

اب اگر کوئی غافل یا نادان انسان درمیانی اسٹیشن کو ہی اپنی اصلی منزل یا ٹھکانا سمجھ کر اپنی ساری پونجی اور دولت وہیں لٹاتا اور برباد کرتا رہے اور اس کی چمک دمک میں گم ہوجائے تو وہ خسارے اور گھاٹے میں آجائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کی اس حالت کو دیکھ کر ساتھی عقلمند مسافر اس سے کہیں گے کہ یہ تمہاری اصل منزل اور ٹھکانا نہیں' تم کیوں اپنا وقت اور سرمایہ یہاں برباد کررہے ہو؟ تمہارے سفر کی یہ گاڑی یہاں مختصر وقت کیلئے رکی ہے تم کو تو آگے جانا ہے۔

بس انسان بھی اس دنیا کے درمیانی اسٹیشن پر امتحان اور آزمائش کیلئے آیا ہے اور نادانی اور غفلت کی وجہ سے وہ اپنی ساری عمر اور وقت کی پونجی کو تباہ و برباد کررہا ہے۔ اسی غفلت' نافرمانی اور بغاوت کو مدنظر رکھ کر اسکے پیدا کرنے والے نے بڑی تاکید اور زور کے ساتھ اسکو اس بات کا احساس دلایا ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ انسان اگر اپنے اس مختصر گذرتے ہوئے امتحانی وقت اور پونجی کو صحیح طور سے استعمال نہیں کرے گا تو خسارے اور گھاٹے میں مبتلا ہوگا اور ناکامی سے دوچار ہوگا۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک لڑکا جب امتحان گاہ میں جاکر بیٹھ جاتا ہے اور پرچہ سوالات حاصل کرنے کے بعد اسکو تین یا ڈھائی گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے اب وہ پرچہ سوالات لینے کے بعد وقت کی بربادی کرلے یا گپ بازی میں لگ جائے یا سڑک پر جھانک کر تماشہ دیکھتا رہے یا کوئی اور غفلت برتے تو آپ اس وقت امتحان گاہ میں لگی ہوئی گھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس غافل اور نادان لڑکے کو کہیں گے کہ یہ تیزی سے گذرتا ہوا وقت بتلا رہا ہے کہ تم اپنا مختصر وقت ضائع و برباد کرکے اپنا نقصان کررہے ہو' تمہاری یہ حالت بتلا رہی ہے کہ تم گھاٹے اور نقصان کی طرف جارہے ہو' وقت کی قدر کرو' یہ وقت پھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اگر تم نے ایسی ہی غفلت برتی تو تم ناکام ہوجاؤ گے۔ غرض نفع اور فائدے میں تو وہ طالب علم رہیں گے جو اس وقت کا ہر لمحہ صحیح استعمال کرکے اپنا پرچہ حل کرنے میں مصروف ہوں' یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں کو ہم وقت برباد کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں

(Time Is Money) وقت ایک قیمتی دولت ہے اسکی قدر کرو اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔

بس یوں سمجھ لیجئے کہ دنیا کی اس امتحان گاہ میں انسانوں کی غفلت' نافرمانی اور بغاوت پر اللہ تعالیٰ ان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے احساس دلا رہا ہے کہ وہ گھاٹے اور خسارے میں ہیں اور مرنے کے بعد نقصان اٹھانے والے ہیں۔

انسان کی زندگی برف کی طرح گھل رہی ہے

اگر کوئی شخص تاجر ہے اور فرض کیجئے کہ برف کی تجارت کرتا ہو تو یوں سمجھئے کہ گرمی کا موسم شروع ہوا اور وہ تاجر موسم کو دیکھ کر ایک لاکھ روپے کی برف لے آیا اور اپنی عقلمندی سے اسے کھلے مکان میں رکھ دیا۔ لوگ آئے اور کہنے لگے' تاجر صاحب! برف بیچ ڈالیئے آج برف ایک روپیہ کیلو بک رہی ہے۔ تاجر نے کہا نہیں جی ابھی ایک ڈیڑھ مہینے کے بعد جب گرمی خوب بڑھ جائے گی اور برف پانچ روپے کیلو ہو جائے گا اس وقت میں اس برف کو فروخت کروں گا' آج مجھے 50 ہزار کا فائدہ ہوتا ہے تو اس وقت دو لاکھ کا فائیدہ ہوگا۔ اب مجھے آرام کرنے دیجئے میں آرام کروں گا' ابھی صحیح تجارت کا وقت نہیں' بھلا میں اس منافع کو کیوں چھوڑ دوں' میں تو زیادہ منافع پر بیچوں گا۔ ایسے تاجر کو دنیا والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اتنا بڑا بے وقوف اور پاگل تو کوئی نہیں ہوگا' اس لئے کہ روزانہ اس کے سرمایہ برف کی قیمت گھٹتی جائے گی یعنی برف پگھلتی جائے گی اور پھر 30 دن کے بعد وہ جب گودام میں جائے گا تو وہاں پر اس کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔ برف تو پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہوگی۔؟

غور کیجئے کہ برف کا تاجر برف کو اگر رکھ ڈالے اور اس کے فروخت کرنے میں سستی کرے یا غفلت برتے یا نادانی سے زیادہ منافع کی چکر میں پڑا رہے تو دراصل وہ اپنی پونجی اور سرمایہ کو پانی بنا کر گویا بہا رہا ہے اور اس کا پورا سرمایہ' پوری پونجی پانی بن کر بہہ جائے گی' وہ ایک دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے روئے گا کہ ہائے میں نے کیا کیا؟ ہائے میں نے کیا کیا؟ لیکن اس دن سوائے حسرت اور افسوس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ وہ یوم الحسرت ہوگا' اور حسرت سے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا روئے گا' پاگل ہو جائے تو کچھ حاصل نہ ہوگا لاکھوں کی پونجی پانی بن کر بہہ گئی۔ اس دن سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہ ہوگا اور زندگی خسارے اور گھاٹے میں آجائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی چمڑے کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر وہ کچا چمڑا لائے اور جمع کرتا رہے' فکر کر کے اسکو نمک نہ لگائے تو جناب والا چند دنوں کے بعد اسکو بھی رونا پڑے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ چمڑے اس تاجر کے بینک بیالنس میں اضافہ کریں وہ خود ہی کیڑوں کی نذر ہو جائیں گے

عقلمند تاجر چاہے چمڑے کا ہو یا برف کا' وہ ہے جو پہلی فرصت میں انتہائی ہوشیاری اور پھرتی کے ساتھ اس برف اور چمڑے کو ایسی کرنسی میں تبدیل کر لے جو مارکٹ میں ملتی ہو۔ وہ جب تک اس کو کرنسی اور سکوں میں بدل نہیں لیتا اس وقت تک اس کی پونجی خطرے اور گھاٹے میں لگی رہتی ہے اور ہر وقت گھاٹے اور خسارے کا اندیشہ رہتا ہے۔

اسی لئے کسی بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے وَالْعَصْرِ کی حقیقت اس برف بیچنے والے تاجر سے سمجھ میں آئی جو یہ آواز لگا رہا تھا کہ اے لوگو!! اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ ہر منٹ اور ہر سکنڈ میں گھلا جا رہا ہے۔ بس انسان کو ایک بہت ہی قیمتی چیز عمر وقت کی شکل میں دی گئی ہے۔ گویا یہ زمانہ عمر انسان کا اصل سرمایہ اور پونجی ہے اور انسان اس کا تاجر ہے اور یہ سرمایہ برف کی مانند سیال ہے جو ہر سال ہر مہینہ اور ہر دن ہر گھنٹہ اور ہر منٹ اور ہر سکنڈ برف ہی کی طرح پگھل کر گھٹتا جا رہا ہے جس کا لوٹ کر آنا ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ ہم اکثر یہ جملہ کہتے ہی رہتے ہیں کہ ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں'' جب انسان اس زمانہ عمر کا تاجر ہے تو عام حالات میں اس تاجر کا خسارہ اور گھاٹے میں ہونا اس لئے بھی واضح ہے کہ اس غریب کا سرمایہ کوئی ٹھوس چیز نہیں جس کو کچھ دن بے کار بھی رکھا جائے تو اگلے وقت میں کام آسکے بلکہ یہ سرمایہ اور پونجی سیال ہے جو ہر منٹ اور ہر سکنڈ بہہ رہا ہے۔ اس کی تجارت کرنے والا بڑا ہی حساس' بیدار اور پھرتیلا و تیز و ہوشیار آدمی ہونا چاہیئے جو بہتی ہوئی چیز کو کرنسی میں فوراً تبدیل کر لے۔ اس تاجر کیلئے ذرا سی بھی سستی اور غفلت بہت بڑا نقصان پیدا کر سکتی ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ انسان کی زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے جب ان میں سے ایک سانس گذر جاتا ہے تو انسان کی عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اسکی عمر کے اوقات کا ایک بے بہا سرمایہ دے کر اس کو ایک تجارت پر لگا دیا ہے تا کہ وہ عقل و شعور سے کام لے اور اس سرمایہ کو نفع بخش بنا لے۔

جس طرح برف کا تاجر ذرا بھی غفلت اور نادانی سے کام لے تو اس کا سرمایہ پانی بن کر ضائع ہوجائے گا بالکل اسی طرح انسان اپنی عمر کے اوقات کو غفلت اور نادانی کے ساتھ گذارتے ہوئے ضائع کردے تو نفع کی تو کوئی امید نہیں' خسارہ ہی خسارہ ہوگا اور اس پر سینکڑوں جرائم کی سزا بھی عائد ہوجائے گی۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ ہر شخص جب صبح اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت پر لگا دیتا ہے پھر کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاک کرڈالتا ہے۔

ایک بد بخت اور غافل اور بے وقوف انسان اس حیات فانی کی چند روزہ چمک دمک والی زندگی کی مہلت کو ہی اصل اور حقیقی منزل سمجھتا ہوا اسی میں مست' مگن اور گم ہوجائے اور آخرت سے بالکل غافل بن جائے تو وہ اپنے آپ کو ابدی مسرتوں اور کامیابیوں سے محروم کرلیتا ہے اور اس کی آخرت کی زندگی گھاٹے اور خسارے سے دوچار ہوجاتی ہے۔

اسکے برعکس ایک سمجھدار انسان اسی فانی اور مختصر زندگی کے چند دنوں کے اندر جنکی حقیقت ایک برف سے زیادہ نہیں' دھوکا نہ کھاتے ہوئے ایمان' تقویٰ اور پرہیزگاری کی آزمائشوں کو جھیل کر اپنے پیدا کرنے والے کی خوشنودی اور محبت کا ابدی انعام حاصل کرلیتا ہے

انسان کو ہمیشہ ہر گھڑی یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ اسکی زندگی کا اصل سرمایہ اور پونجی دراصل اسکی عمر کا وقت اور زندگی ہے جو اسکو ایک بار کیلئے ہی امتحان و آزمائش کیلئے دی گئی اگر اس نے اس کا صحیح استعمال کیا تو فائدے میں رہے گا اور اگر وہ اسکا غلط استعمال کیا تو نقصان ہی میں رہے گا۔ بے وقوف اور نادان انسان اس چند روزہ چمک دمک والی فانی زندگی کی خوبصورتی 'مزے اور لذتوں پر رال ٹپکا کر اسکا عاشق بن جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ والی آرام دہ مسرتوں سے بھر پور زندگی کو کھوڈالتا ہے۔ دنیا کے عیش و آرام اور لذتوں کی مثال ایک خواب غفلت اور دھوکہ کی طرح ہے۔ جسطرح انسان حالت نیند میں کچھ خوبصورت مزے دار خواب دیکھتا ہے مگر حقیقی مزا نہیں اٹھا سکتا اور جیسے ہی انسان کی نیند بیدار ہوجاتی ہے وہ خواب خود بخود ٹوٹ اور چھوٹ جاتے ہیں اور خواب کی چیزیں اسے حاصل نہیں ہوتیں۔ اسکے برعکس وہ اپنی آزادی کا

صحیح استعمال کر کے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ہمیشہ ہمیشہ کی رضا و محبت حاصل کر کے جنت کا وارث بن سکتا ہے۔ اسلئے اسکو یہ بات اچھی طرح اور ہر وقت یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیا کے مزے، دنیا کے سامان عیش، دنیا کی دولت اور دنیا کی اولاد بیوی بچے دنیا کے محلات سب کچھ ایک دن خواب غفلت کی طرح چھوڑ کر چلے جانا ہے، جب موت آجائے گی تو اسکا یہ دنیا کا خواب ٹوٹ جائے گا اور وہ ان چیزوں سے محروم ہو جائے گا۔

بس عقلمند انسان وہ ہے جو اس پگھلتی ہوئی برف کو ایسے سکوں میں بدل ڈالے کہ جب یہ برف پگھل چکی ہو تو اس وقت بھی یہ سکے اس کے کام آجائیں، اسی بات کو ذہن نشین کرانے کیلئے فرمایا گیا وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○

بے وقوف تاجر اپنے سرمایہ کے گھلنے کے باوجود خوش ہوتا ہے

دنیا کی تجارت کرنے والا تاجر اپنے سرمایہ کے کم اور گھٹ جانے پر افسوس اور دکھ محسوس کرتا ہے اور کسی بھی طرح اپنے آپ کو گھاٹے اور خسارے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر یہ آخرت کا تاجر اپنی زندگی کے سرمائے کے کم ہو جانے کے باوجود ناچتا، گاتا اور خوشیاں مناتا ہے، ایسے لوگ کبھی اپنی عمر پر غور نہیں کرتے کہ زندگی کس چیز کا نام ہے، بس مست رہتے ہیں، مگن رہتے ہیں، اپنی اپنی جگہ غرور، فخر اور دکھاوے میں پڑے رہتے ہیں ان کی بے وقوفی اور نادانی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ جیسے جیسے ان کی زندگی کی برف گھٹتی اور پگھلتی جاتی ہے وہ سالگرہیں منا کر خوشیاں مناتے ہیں، ان کو قطعی یہ غم نہیں ہوتا کہ ان کی زندگی میں سے ایک سال پگھل گیا، گھٹ گیا، کم ہو گیا اور وہ پیدائش سے دور ہو کر موت کے قریب ہوتے جاتے ہیں مگر پھر بھی پاگلوں کی طرح عمر کے گھٹ جانے پر تالیاں بجا بجا کر ناچتے اور خوش ہوتے ہیں۔

اگر کسی کینسر کے مریض کو ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ وہ ساٹھ (60) دن زندہ رہے گا تو کیا 40 دن گذر جانے کے بعد وہ مریض اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو جمع کر کے کیک کاٹ کر خوش ہوگا؟ نہیں وہ افسوس اور فکر میں رہے گا کہ میری برف اب بس 20 دن کی ہی باقی رہ گئی ہے میری مہلت عمر اب ختم ہوتی جا رہی ہے۔

دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسان جب نیا سال شروع ہوتا ہے تو ہوٹلوں' کلبوں میں اس عورت کو جو سماج اور سوسائٹی کی ماں' بہن اور بیٹی ہوتی ہے' ننگا کر کے شراب کے جام لیتے ہوئے ساری رات جشن مناتے اور گذرتے ہوئے سال کے اختتام اور نئے سال کی آمد کی خوشی میں ننگا ناچ نچاتے ہیں' انسانوں کی اسی حالت کو دیکھ کر دیکھنے والا ضرور کہے گا **وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○** کہ یہ سارے انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں اور ان کے نفع و کامیابی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

زندگی کی یہ برف ہر روز گھٹتی ہے' ہر سانس گھٹتی ہے' ہر منٹ پگھلتی ہے' ہر سال پگھلتی ہے اور غافل انسانوں کا یہ سرمایہ بس خسارے اور گھاٹے کی طرف جا رہا ہے اور وہ ایک دن خسارے اور گھاٹے سے دوچار ہونے والے ہیں۔

انسان کی عمر اگر ساٹھ (60) سال کی ہو تو سوچئے کہ آخرت کی تجارت کیلئے اس کو کتنا موقعہ ملتا ہے جب کہ اس کی زندگی 30 سال دن اور 30 سال رات پر مشتمل ہوتی ہے' عموماً 15 سال کی عمر تک نابالغ اور غیر مکلّف رہتا ہے' اسی طرح 60 سال میں سے 15 سال تو بچپن اور لڑکپن کھیل کود میں گذر جاتے ہیں' اب باقی زندگی 45 سال کے حساب پر غور کیجئے' اس 45 سال کی باقی زندگی کا اکثر حصہ سونے' تفریحات اور دوست احباب سے ملنے اور ضروریات کی تکمیل میں گذار دیتا ہے۔ اس تفصیل کے بعد سوچئے کہ وہ کتنا وقت اپنی آخرت کیلئے پاتا ہے؟ اور کتنا وقت آخرت پر خرچ کرتا ہے؟

دنیا کے اکثر غافل انسانوں کی حالت کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انکو نیند لینے' کھانا کھانے' نفسانی خواہش پوری کرنے' شادی بیاہ کی تقاریب میں جانے اور جانوروں کی طرح دن رات محنت کرنے کا تو ضرور موقع ملتا ہے مگر نماز پڑھنے' قرآن پڑھنے اور سمجھنے اور اپنی اولاد پر محنت کرنے کیلئے تو وقت ہی نہیں ہوتا' غرض ان کے پاس دنیا کا ہر کام کرنے کیلئے تو وقت رہتا ہے مگر اللہ کی عبادت و اطاعت کیلئے ہی وقت نہیں ہوتا۔ پہلی آیت قسم پر مشتمل ہے اور اس میں زمانے کو گواہ بنایا گیا ہے' اور دوسری آیت جوابِ قسم ہے یعنی دوسری آیت میں ایک خاص حقیقت کا بیان ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر یعنی زمانہ جاری یا زمانہ گذشتہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسان کو ابتداء سے آج تک پوری تاریخ اور اس کے جملہ واقعات اور وہ مراحل کو یاد دلا کر چشم دید گواہ بنا دیتی ہے اور انسانوں کی موجودہ زندگی سے لے کر گذشتہ قوموں کی کامیابی و ناکامی کے تمام واقعات بھی چشم دید گواہ بن جاتے ہیں اور اس کے ذہن میں ایک طرف قومِ نوح، قومِ لوط، قومِ عاد، قومِ ثمود، بنی اسرائیل، فرعون و نمرود، ابوجہل اور مشرکانِ مکہ کی نافرمانیاں اور بغاوت وہٹ دھرمی سامنے آجاتی ہے اور دوسری طرف نوح علیہ السلام کے ساتھی، ابراہیم علیہ السلام کی قربانیاں، اصحاب کہف کی زندگی، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی زندگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی زندگیاں سامنے آجاتی ہیں کہ کون سے لوگ گھاٹے اور خسارے کی زندگی گذارے اور کونسے لوگ گھاٹے اور خسارے سے محفوظ رہے۔

گویا یوں سمجھئے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ سے ساری انسانیت کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کا سب سے بڑا شاہد اور گواہ گویا یہ زمانہ اور وقت ہی ہے اور یہ وقت اور زمانہ گواہی دیتا ہے کہ انسان کی ہلاکت اور تباہی اور خسرانِ حقیقی کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس پر غفلت ہی غفلت طاری ہے اور انسان اپنے ماحول اور معاشرے میں گویا کمشدگی کی سی کیفیت میں مبتلا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے : مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

انسان ہر کام نفع و نقصان کو سامنے رکھ کر ہی کرتا ہے

دنیا میں انسان جتنے بھی کام کرتا ہے اس میں تقریباً نفع و نقصان کا خاص تصور رکھ کر انجام دیتا ہے یعنی کامیابی اور ناکامی کا اندازہ لگا کر کرتا ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دنیوی زندگی کی ساری محنت و مشقت کا رخ اسی معیار ہی سے متعین کرتا ہے اور ہر انسان کے نزدیک ہر کام کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے اور وہ اسی مقصد کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

مگر دنیا کی زندگی کے تعلق سے کروڑوں انسانوں کا حال بالکل مختلف ہے اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کو صحیح پہچانے بغیر بے مقصد زندگی گذار رہے ہیں۔ نہ مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں اور

نہ اس مقصد کو حاصل کرنے کی فکر ہے' ان کے نزدیک کامیابی اور ناکامی کا کوئی تصور ہی نہیں' موت کو دیکھنے کے باوجود غافل ہی غافل بنے رہتے ہیں۔

دنیا کے اکثر انسانوں کے دماغ میں یہ کیڑا بیٹھا ہوا ہے کہ زندگی کچھ بھی نہیں بس چند برس دنیا میں عیش کے ساتھ جی لینے کا نام ہے۔ یہی جینا اصل جینا ہے اس کے بعد کچھ بھی نہیں' وہ گناہ اور نیکی کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتے' جن کے دماغ میں یہ کیڑا ہے وہ لوگ ہرگز ہرگز کچھ نہیں کرتے سوائے اپنی زندگی کو برباد کرنے کے۔

ایسے انسانوں سے بنیادی سوال یہ کیا جائے کہ کیا اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والے ہے یا نہیں؟ کیا انسان اور دوسری تمام مخلوقات خود بخود پیدا ہوگئیں اور کیا پوری کائنات اپنے آپ بن گئی؟ اور اپنے آپ چل رہی ہے' جب دنیا کی ہر چیز ایک مقصد کے تحت چل رہی ہے تو کیا انسان بے مقصد پیدا کیا گیا؟ نیکی اور بدی کوئی چیز ہی نہیں' ہر برے کام پر انسان کا ضمیر اس کو ملامت کیوں کرتا ہے؟ اچھے اور برے آج دنیا میں ایک ساتھ مل جل کر زندگی گذار رہے ہیں تو کیا ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ اچھے کو اچھائی کا اور بُرے کو بُرائی کا بدلہ نہیں ملے گا؟ کیا ظالم اور صابر و مظلوم کا انجام ایک جیسا ہوگا۔؟

حالانکہ انسان خود یہ جانتا ہے کہ وہ جب دنیا میں حکومت قائم کرتا ہے تو اس حکومت میں ظلم و ناانصافیوں کو مٹانے کیلئے عدالت اور جیل بھی قائم کرتا ہے تاکہ ظالم کو بغاوت اور نافرمانی پر سزا دیجائے اور لوگوں کو انصاف ملے اور صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط بتلایا جائے تو کیا دنیا کا پیدا کرنیوالا' دنیا کو پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ دیا ہے؟ اس کے نزدیک اچھے اور برے دونوں یکساں ہیں؟ اور کیا اس کے پاس اچھائی کا بدلہ اچھا اور برائی کا بدلہ برا نہیں؟ ایک انسان اگر 100 قتل کیا ہو' 200 عورتوں کی عزت لوٹا ہو تو کیا انسانوں کی عدالت اس قاتل اور زانی سے اتنے انسانوں کا بدلہ دلا سکے گی؟ کیا ایک انسان کو قتل کے الزام میں ایک بار سولی پر چڑھا دینے سے پورے انسانوں کے قتل کا بدلہ ہو جائے گا؟

بے شک انسانوں کے پیدا کرنے والے نے ایک انصاف کا دن مقرر کیا ہے اور اس دن وہ اپنی رحمت سے عدل کر دے گا اور اچھے' کامیاب انسانوں کو جنت عطا فرمائے گا اور گھاٹے اور

خسارے والے انسانوں کو دوزخ جیسی جیل میں ڈالے گا۔

افسوس انسانوں کی بغاوت اور نافرمانی کا یہ عالم ہوگیا کہ وہ تہذیب وتمدن کی ہر بات کو تو فوراً مان لیتے ہیں مگر وہی بات خدا کے نام پر ایمان وعمل صالح کے ساتھ کی جائے تو مانی نہیں جاتی اور ایک خدا کا نام لے کر کچھ بھی نہیں منوایا جاسکتا ہے۔ دنیا میں مادہ پرستی، وطن پرستی، زر پرستی اور عورت پرستی سب کچھ ہو رہا ہے، لیکن خدا پرستی نہیں، دین بیزاری ہی دین بیزاری نظر آرہی ہے۔ یہ خسارہ اور گھاٹا نہیں تو اور کیا ہے؟

آخرت میں دوبارہ اٹھائے جانے سے کافر ومشرک کا اِنکار

بے وقوف اور غافل انسان یا تو آخرت پر یقین نہیں رکھتا یا پھر آخرت سے جان بوجھ کر غافل بنا رہتا ہے۔ ایسے انسانوں کو قطعی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم مرکر ہزاروں سال بعد پھر دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ وہ سوچتا ہے کہ جب ہمارا جسم اور ہڈیاں سڑ گل کر مٹی ہوجائیں گے تب ہمکو کیسے اٹھایا جائے گا؟ بس جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے اپنی 60 برس کی زندگی کو اللہ کا انکار کرتے ہوئے بغاوت اور نافرمانی میں ضائع و برباد کردیتا ہے اور اس دنیا سے آگے کسی اور دنیا کا تصور ہی نہیں رکھتے، بس جب بھی وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور آخرت میں حساب دینے سے متعلق کچھ سنتے ہیں تو ان کو اس بات پر تعجب اور اچنبھا معلوم ہوتا ہے اور ان کو یقین نہیں آتا۔ حالانکہ ایسے لوگ دنیا میں ہر روز اپنے سامنے مختلف چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سورج کو ہر روز غروب کرتا اور طلوع کرتا ہے یعنی سورج کا ہر روز غروب ہونا موت اور طلوع ہونا حیات ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر روز دن کو ختم کرکے رات اور رات کو ختم کرکے دن لاتا ہے۔ ہر موسم گرما میں ہزاروں مرتبہ زمین کو مردہ کرکے زندہ کرتا ہے اور اس پر ہزاروں مردہ بیجوں کو حیات دیتا ہے۔

انسان خود بھی پانی کو گرم کرکے بھاپ بناتا ہے اور بھاپ کو پانی۔ اسی طرح پانی کو بار بار برف بناتا ہے اور برف کو پانی۔ ایک گھڑی ساز گھڑی کے پورے پرزوں کو کھول کر بکھیر دیتا ہے اور پھر ان کو جوڑ دیتا ہے تو کیا انسانوں کا خالق انسانوں کو دوبارہ جوڑ نہیں سکتا؟

اسی طرح انسان اگر خود کی پیدائش پر غور کرلے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ زمین کے مختلف مقامات کی بکھری ہوئی غذاؤں کے استعمال سے تیار ہوا ہے۔ کسی مقام کے گیہوں، کسی مقام کے چاول، کہیں کی ترکاریاں اور کہیں کے پھل جب یہ تمام مختلف مقامات کی چیزیں انسان استعمال کرتا ہے تو اس میں خون پیدا ہوتا ہے اور خون سے مادہ منی اور پھر منی سے انسان کا وجود۔ غور کیجئے کہ جب اللہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ زمین کے مختلف مقامات کے بکھرے ہوئے اجزاء کو جوڑ کر انسان کو بنایا تو ایک مرتبہ پیدا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے میں اس کو کیا مشکل ہوگی؟ مگر پھر بھی غافل انسان کو اپنے دوبارہ پیدا ہونے پر یقین نہیں آتا اور وہ اسی یقین کے نہ ہونے کی وجہ سے دنیا کی زندگی کو ضائع و برباد کردیتے ہیں اور آخرت کی کوئی تیاری نہیں کرتے۔ جس وقت یہ غافل انسان دوبارہ آخرت میں اٹھایا جائے گا تو اس وقت اس کو اپنی زندگی کی حقیقت سمجھ میں آئے گی۔ اس وقت اس کے پاس نہ اس کا بینک بیالنس ساتھ ہوگا نہ اس کے محلات اور جائیداد اس کے ساتھ ہوں گے اور نہ اعلیٰ درجہ کا فرنیچر، ٹی وی، ریڈیو اور ٹیلی فون اس کے ساتھ ہوگا۔ اس وقت وہ روئے گا کہ کہاں گئی میری اولاد، میرے خاندان کے لوگ جن کی خاطر میں اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے سود و رشوت اور حرام کاریاں کرکے مال کماتا اور جن کے عیش و آرام کی خاطر میں نے اپنی برف کو پگھلا ڈالا، کہاں گئے میرے ماں باپ جنہوں نے مجھے زبردستی کرکے سختی کے ساتھ فیشن پسند، اللہ کے باغی اور لعنت زدہ انسانوں کے اسکولوں میں چھوڑ کر مغربی تہذیب سکھائی اور مجھے دنیا خوب کمانے کے قابل بنایا اور دینی تعلیم سے دور رکھا۔ کہاں گئے میرے نام کی مالا جپنے والے؟ کہاں ہے میری عزت و اقتدار؟ کہاں ہے میرا عہدہ اور کرسی؟ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے مجھے آخرت سے غافل بنا کر دنیا ہی کے عیش و آرام کی تعلیم دی؟ کہاں ہے وہ عورتیں جنہوں نے دنیا اور دنیا کی رغبت دلائی؟ ہائے میں تو تباہ و برباد ہوگیا۔ میرا اب کوئی ساتھ دینے والا نہیں۔ اس وقت اس کو یاد آئے گا کہ میری واپسی تو بڑے گھاٹے اور خسارے کے ساتھ ہوئی۔ کوئی کہے گا کہ ہائے افسوس! میرے نزدیک زندگی سب کچھ اسی چیز کا نام تھا کہ دنیا بنالو، سجالو، کوئی کہے گا میرے نزدیک زندگی بس آنکھوں سے مزہ اٹھانے کا نام تھا۔ زندگی کانوں سے مزہ اٹھانے کا نام تھا یا زندگی پیٹ سے مزہ اٹھانے کا نام تھا۔ یورپ اور مغربی تہذیب نے مجھے اندھا اور برباد کیا،

انہوں نے مجھے تعلیم دی کہ عورت جو میری ماں' بہن' بیٹی ہے' ننگی ہو جائے اور اپنے پورے جسم کو کھول کر انسانوں کی لذت کا سامان بن جائے' تسکین کا ذریعہ بن جائے' رقص' گانوں اور باجوں کی آواز سے میرے کانوں کو مزہ دے دے' خوشبو اور سینٹ کے ذریعہ میری ناک کو لذت دے دے' انہوں نے مجھے یہ تعلیم دی تھی کہ زندگی نام ہی صرف جنس سے فائدہ اٹھانے کا یعنی زندگی شرمگاہ سے مزا اٹھانے کا نام تھا اور اس مزے کو آزادانہ ہوٹلوں اور کلبوں میں جانوروں کی طرح گناہ کا تصور کئے بغیر حاصل کرنے کا تھا اور یہی زندگی سب سے اونچی اور عزت دار عقلمند سوسائٹی کے لوگوں کا تصور کی جاتی تھی۔ ہائے افسوس کہ اسی زندگی نے مجھے غفلت میں ڈال دیا اور میں نے بھی اسی سوسائٹی کے لوگوں کی پیروی کی اور نقصان میں رہا۔

کوئی کہے گا کہ ہائے افسوس! مجھے ایک خدائے واحد کی پرستش اور اطاعت کی دعوت دی گئی مگر پھر بھی میں نے اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف یہ بات نہ مانی اور ضمیر پر بھروسہ نہیں کیا۔ آج کوئی خدا کا بیٹا' بیٹی اور بیوی یا کوئی اور شریک نظر ہی نہیں آتا۔ صرف ایک خدا کی خدائی نظر آتی ہے۔ کاش میں اپنے مالک اور پروردگار کو اکیلا اور واحد مانتا تو آج میں فلاح اور کامیابی میں رہتا' میری برف تو ضائع و برباد ہوگئی۔ کوئی کہے گا کہ ہائے افسوس میری تباہی و بربادی پر' میں تو برباد ہوگیا مجھے خدا کو ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کی دعوت دی گئی اور میں نے خدا کے وجود کو مختلف دلائل سے مانتے ہوئے اپنی ضمیر کی آواز کے خلاف خدا کا انکار کر کے گھاٹے اور خسارے میں آ گیا۔ مجھ سے تو ایک کتا بہتر تھا کہ وہ جس کا کھاتا' جس کا پیتا' جس کے گھر میں رہتا اسی کو وہ اپنا مالک مانتا اور اس کو خوب اچھی طرح پہچانتا' اس کی آواز سنتا تو بے چین ہو کر اس کی طرف دوڑتا اور اس کے پیروں میں لوٹ جاتا' مگر افسوس کہ میں اس کتے سے بھی گیا گذرا ہوں جس کا کھایا اور جس کا پیا اور جس کے گھر میں رہا' اسی کا انکار کیا اور اسی کو نہیں پہچانا۔

کافر اور مشرک کہیں گے اے ہمارے پروردگار! صرف ایک موقع اور عنایت فرما اور پھر سے ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دے۔ ہم ضرور تجھے مان کر تیری فرمانبرداری کر کے آئیں گے۔ صرف ایک موقع اور دے دے ہم ضرور اپنی تجارت میں کامیاب ہو کر آئیں گے اور اب اپنی برف کو ضائع نہیں کریں گے۔ ہم کو قطعی یقین نہ تھا کہ ہم ہزاروں سال بعد پھر دوبارہ زندہ کئے

جائیں گے اور ہماری زندگی کا حساب ہوگا۔

يَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝ (النزعٰت ۱۰ تا ۱۴)

ترجمہ:- کہتے کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے' کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (پھر حیات کی طرف واپس ہوں گے) (اگر ایسا ہوا تو) اصل صورت میں یہ واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ کی ہوگی۔ تو (یہ سمجھ رکھیں کہ ہم کو کچھ مشکل نہیں بلکہ) بس وہ ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (عبس: ۳۴ تا ۴۲)

ترجمہ:- ''جس روز ایسا آدمی (جس کا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا) ان میں سے ہر شخص کو اپنا ہی مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ بہت سے چہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں ہوں گے اور اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہوگی اور اس ظلمت کے ساتھ ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہوگی۔ یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔''

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۝ (الانفطار: ۴'۵)

ترجمہ:-''اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (یعنی ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔''

دنیا کی حقیقت کو قرآن اور احادیث کی روشنی میں بھی سمجھئے

دنیا کا عیش بے حقیقت ہے:- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص دریا میں انگلی ڈالے اور پھر دیکھے کہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آئی ہے۔ (مسلم)

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والا:- حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا قیامت کے دن مرتبہ کے لحاظ سے بدترین آدمی وہ بندہ ہوگا جس نے اپنی آخرت کو دنیا حاصل کرنے کیلئے ضائع کر دیا (ابن ماجہ)

حُبِّ دنیا اندھا کر دیتی ہے:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی محبت سب گناہوں کی سردار ہے اور ایک (اسی) چیز کی محبت تمہیں اندھا اور گونگا کر دیتی ہے۔ (ابوداؤد)

دُنیا کو ایک سرائے سمجھو:- ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کاندھے پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح (زندگی) بسر کرو گویا تم پردیسی ہو یا مسافر۔ ابن عمرؓ اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اپنی صحت کے زمانہ میں بیماری کے زمانہ کیلئے اور زندگی کے زمانہ میں موت کے زمانہ کیلئے کچھ حاصل کر لو۔ (بخاری)۔

دنیاوی عیش فانی ہے:- حضرت معاذ بن جبلؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن بھیجا تو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو عیش و آرام سے بچا، اسلئے کہ اللہ کے صالح بندے عیش حاصل نہیں کرتے۔

گنہگاروں کی دولت پر رشک نہ کرو:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی فاسق و فاجر کی نعمت و دولت پر رشک نہ کرو، اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد اس سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔ (مشکواۃ)

دنیاوی عیش و عشرت چند روزہ ہے:- **زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○** ال عمران (۱۴)

ترجمہ:- لوگوں کیلئے مرغوبات نفیس عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئندہ بنادی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں، حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ○ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ○ (آل عمران ۱۹۶/۱۹۷)

ترجمہ:- ”(اے نبی) دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے۔ پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے اور بُری آرامگاہ ہے“۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے بعد تم پر دنیا آئے گی اور

تمہارے ایمان کو اسطرح کھا جائے گی جسطرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

☆ ایک اور حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے جس کا مفہوم یہ ہیکہ ایسے انسانوں پر تعجب ہے جو جنت پر ایمان رکھتے ہوئے دنیا کے حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

☆ فرمان نبویؐ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میری امت پر عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب وہ پانچ چیزوں سے محبت کریں گے:(۱) دنیا سے محبت رکھیں گے آخرت کو بھول جائیں گے(۲) مال سے محبت رکھیں گے اور یوم حساب کو بھول جائیں گے۔(۳) مخلوق سے محبت رکھیں گے مگر خالق کو بھول جائیں گے۔(۴) گناہوں سے محبت رکھیں گے مگر توبہ کو بھول جائیں گے۔(۵) مکانوں سے محبت رکھیں گے مگر قبر کو بھول جائیں گے۔

☆ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کیلئے قید خانہ ' کافر کیلئے جنت ہے۔ایک اور روایت میں آپ کا ارشاد مبارک ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے (دنیا سے محبت کی جائے تو عذاب سے خالی نہیں اور اگر اس کو استعمال کیا جائے تو حساب سے خالی نہیں)۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مردہ بکری کے پاس سے گذر ہوا' آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ بکری اپنے مالک کو پسند ہے' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اس کی بدبو ہی کی وجہ سے یہاں پھینک دیا گیا ہے۔آپؐ نے فرمایا بخدا دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مردہ بکری سے بھی زیادہ بے وقار ہے اگر اللہ تعالیٰ کے پاس اس دنیا کا مقام مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتا تو کوئی کافر اس دنیا سے ایک گھونٹ بھی پانی نہ پی سکتا۔

☆ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے اگر آپ چاہیں تو میں پہاڑ سونے کا بنادوں جو آپؐ کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔جبرئیل! یہ دنیا تو اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو' یہ اس کی دولت ہے جس کے پاس کوئی دولت نہ ہو اور اسے وہی جمع کرتا ہے جو بے وقوف ہو۔جبرئیلؑ بولے اے اللہ کے نبیؐ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے۔ایک اور روایت میں ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو یہاں بوئیں گے وہی آخرت میں کاٹیں گے۔

☆ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے دنیا! تو نیکوکاروں کی نظر میں اپنی تمام تر زیب و زینت کے باوجود بے وقار ہے۔میں نے ان کے دلوں میں تیری عداوت اور تجھ سے بے توجہی رکھی دی ہے' میں نے تجھ جیسی بے وقار کوئی چیز نہیں پیدا کی' تیری ہر ادا جھوٹی اور فانی ہے' میں نے تیری پیدائش کے وقت فیصلہ فرمادیا تھا کہ نہ تو کسی کے پاس ہمیشہ رہے گی اور نہ کوئی تیرے اوپر ہمیشہ رہے گا اگرچہ تجھے پانے والا کتنا ہی بخل کرتا رہے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک دل میں دنیا اور آخرت کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔

☆ اسی طرح آپؑ نے ارشاد فرمایا جس طرح دنیا دار دنیا کی محبت میں معمولی سے دین پر راضی ہیں تم بھی دین کی سلامتی کیلئے معمولی سی دنیا پر راضی ہو جاؤ۔

☆ کسی شاعر نے کہا میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ تھوڑے سے دین پر راضی ہو جاتے ہیں مگر تھوڑی سی دنیا پر راضی نہیں ہوتے۔

☆ جس طرح دنیا دار دنیا کے بدلے دین سے بے نیاز ہو جاتے ہیں تو اے لوگو! تم بھی دین کے بدلے دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں لاشیں پڑی ہوئی تھیں' آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا شکار ہیں ورنہ انہیں ضرور دفن کیا جاتا' حواریوں نے انکے حالات جاننے کی خواہش ظاہر کی' آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ آپؑ کی دعا پر ایک مردہ زندہ ہوا اور کہا لبیک یا روح اللہ! آپ نے پوچھا تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟ جواب آیا ہم دنیا سے محبت رکھتے تھے اور گنہگاروں کی پیروی کرتے تھے۔ آپؑ نے پوچھا تمہیں دنیا سے کیسی محبت تھی۔ جواب آیا جیسے ماں کو بچے سے ہوتی ہے' جب ہمارے پاس دنیا آجاتی تو ہم نہایت مسرور ہوتے اور جب دنیا چلی جاتی تو ہم نہایت غمگین ہو جاتے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دنیا کو معبود بنا کر اس کے بندے نہ بن جاؤ اور اپنا خزانہ اس ذات کے یہاں جمع کرو جو کسی کی کمائی ضائع نہیں کرتا۔

☆ حضرت عقیلؓ کا قول ہے اگر مجھے ساری دنیا کسبِ حلال کی صورت میں مل جائے مگر آخرت کی بھلائی اس میں نہ ہو تو میں اس سے اس طرح دامن بچا کر نکل جاؤں گا جیسے تم مردار سے دامن بچا کر نکل جاتے ہو۔

☆ حضرت وہبؒ کا قول ہے کہ دنیا عقلمندوں کیلئے مالِ غنیمت اور جاہلوں کیلئے سامان غفلت ہے۔

دنیا کی بے وفائی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ تین روٹیاں بناؤ اور میرے ساتھ چلو' راستہ میں چلتے چلتے خادم نے حضرت عیسیٰؑ سے نظر بچا کر ایک روٹی کھالی۔ ایک مقام پر جب حضرت عیسیٰؑ کھانے کیلئے بیٹھے تو دو ہی روٹی دیکھ کر دریافت فرمایا کہ تیسری روٹی کہاں گئی' خادم نے قسم کھا کر کہا کہ میں نہیں جانتا۔ حضرت عیسیٰؑ سمجھ گئے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ایک روٹی اسے دی اور ایک خود کھایا' پھر آگے چل پڑے' ایک مقام پر مٹی کی تین اینٹیں بنائیں اور اللہ کے حکم سے پھونک ماری وہ تینوں اینٹیں سونے کی بن گئیں۔ پھر آپؑ نے خادم سے کہا کہ یہ لے ایک

اینٹ تیری ایک میری اور ایک اس کی جس نے تیسری روٹی کھائی' تب خادم نے قسم کھا کھا کر کہا میں نے تیسری روٹی کھائی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے خادم کو تینوں اینٹیں دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا اور آگے رخصت ہو گئے۔

خادم خوشی خوشی یہ تینوں سونے کی اینٹیں تھیلی میں ڈال کر جا رہا تھا کہ مخالف سمت سے دو ڈاکو آئے اور خادم کی تھیلی کی تلاشی لینی شروع کی تو خادم نے کہا مجھ کو مت مارو اس میں سونے کی تین اینٹیں ہیں' تینوں ایک ایک بانٹ لیں گے تب ڈاکو بھی راضی ہو گئے مگر وہ بھوکے تھے تینوں نے مل کر مشورہ کیا کہ ایک شخص شہر کو جائے اور کھانے کا سامان خرید کر لائے تب تک دو آدمی یہیں جنگل میں انتظار کرتے رہیں گے' ایک ڈاکو جب شہر گیا تو ان دونوں کی نیت بدل گئی اور کہا کہ کیوں نہ ہم اس کے شہر سے واپس آتے ہی یکدم حملہ کر کے قتل کر دیں اور پورا سونا دونوں بانٹ لیں۔ ادھر شہر جانے والا ڈاکو سوچا کہ کیوں نہ میں یہیں پر اپنا پیٹ بھر لوں اور ان دونوں کیلئے کھانے میں زہر ملا کر لے جاؤں تا کہ وہ دونوں ختم ہو جائیں اور میں پورے سونے کا مالک بن جاؤں۔ چنانچہ وہ اسی پروگرام سے شہر سے واپس آیا' ادھر اس کے آتے ہی دونوں نے مل کر تلوار سے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر ڈالا پھر کھانا کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔ خوب سیر ہو کر کھایا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد غشی طاری ہوئی اور وہیں ختم ہو گئے۔

حضرت عیسیٰؑ کا واپسی پر گذر جب وہاں سے ہوا تو دیکھا کہ تین لاشیں اور تین سونے کی اینٹیں پڑی ہوئی ہیں' فرمایا کہ ''اے دنیا! آج تک تو نہ کسی کے پاس رہی اور نہ تو نے کسی سے وفا کی''۔

☆ گاؤں میں اہل دیہات جانوروں کا گوبر ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں' ہوائیں اس پر خاک کی تہہ جما دیتی ہیں' بارش اس پر نہایت عمدہ سبزہ اگا دیتی ہے' نیچے گوبر اور فضلہ جس نے نہیں دیکھا اس کی آنکھ اس سبزہ پر فریفتہ ہو جاتی ہے غافل اور بے وقوف انسان اس سبزہ گاہ میں مست مگن اور بے ہوش ہو کر لوٹتا ہے۔ عقلمند انسان غور کرتا ہے کہ یہ سبز گاہ کیا چیز ہے' اوپر سے مزین اور حسین ہے مگر اندر گندی اور بدبودار۔ وہ اس سبزہ گاہ میں دامن بچا بچا کر چلتا ہے تا کہ گندگی نہ لگ جائے۔ بس دنیا کا بھی یہی حال ہے۔ دنیا دار اس دنیا کی ساری گندگیوں اور ناپاکیوں میں لوٹتا رہتا ہے اور اس کی غلاظت کھاتا اور اپنے جسم کو لگائے پھرتا ہے' خود بھی گندہ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی گندہ کر دیتا ہے۔ عقلمند انسان اس دنیا کی گندگیوں اور غلاظتوں سے بچتا ہوا خود بھی پاک رہتا ہے اور دوسروں کو بھی پاک رکھتا ہے۔

☆ حضرت سعد بن مسعودؓ کا قول ہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کی دنیا بڑھ رہی ہو اور دین کم ہو رہا ہو مگر وہ اس بات پر راضی ہو تو سمجھ لو کہ وہ شخص دھوکا' گھاٹے اور فریب میں ہے کہ اس کی صورت مسخ کی جا رہی ہے اور اسے محسوس بھی نہیں ہو رہا ہے۔

☆ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ یہ دنیا بہت گہرا سمندر ہے' اس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے ہیں' اس سے گذرنے کیلئے خوف خدا کی کشتی بنا جس میں ایمانِ خداوندی بھرا ہوا ہو

اور اسے توکل کے راستے پر چلاتا کہ نجات پا جائے ورنہ نجات کی کوئی صورت نہیں۔

☆ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بوسیدہ کپڑوں کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھو کیوں کہ اس کا اور تمہارا رب ایک ہے۔

☆ ایک دانا کا قول ہے کہ تم دنیا کی نعمتوں کو دیکھو اور اپنی برائی کی وجہ سے ہمیشہ نالائقوں اور نافرمانوں اور باغیوں کے پاس ہی ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح کسی بزرگ نے فرمایا جس شخص کو جس چیز سے زیادہ محبت ہو جاتی ہے وہ اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے اسی طرح جو دنیا سے محبت کرتے ہیں ہمیشہ دنیا ہی کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔

☆ ایک دانا کا قول ہے ہر انسان کے پاس یہ دنیا ایک سایہ کی طرح ہے۔ آج اس کے پاس کل اس کے پاس اور یہ دنیا کسی اور کی طرف منتقل ہونے سے پہلے اسے راہ خدا میں خرچ کر دے تو وہ تمہیں بخشش سے ہمکنار کرا دے گی۔

☆ حضرت بشیرؒ کا قول ہے کہ جو شخص اللہ سے دنیا مانگتا ہے وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں بہت دیر تک حساب کیلئے ٹھہرنے کا سوال کرتا ہے۔

☆ ایک بزرگ نے ایک شخص سے سوال کیا کہ تم خواب کے سو روپیوں کو اچھا سمجھتے ہو یا بیداری کے دس روپیوں کو؟ اس نے کہا کہ بیداری کے دس روپیوں کو اچھا سمجھتا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو کیوں کہ دنیا کے ساتھ تمہاری محبت خواب کی محبت ہے اور آخرت کے ساتھ محبت بیداری کی محبت ہے۔

☆ ایک دانا کا قول ہے انسان جتنا تنگدستی سے ڈرتا ہے اتنا اگر جہنم سے ڈرتا تو دونوں سے نجات پا لیتا اور جتنی اسے دولت سے محبت ہے اگر جنت سے اسے اتنی محبت ہوتی تو دونوں کو پا لیتا جتنا ظاہر میں لوگوں سے ڈرتا ہے اگر اتنا اکیلے میں اللہ سے ڈرتا تو دونوں جہانوں میں کامیاب ہو جاتا۔

☆ کسی بزرگ نے فرمایا دنیا تمہارے سامنے انتہائی حسین شکل میں بے پردہ دلہن بن کر آتی ہے اور دنیا دار اس پر عاشق ہو جاتے ہیں۔

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کے مال میں برکت نہ دی جائے تو وہ اس کو پانی اور مٹی میں خرچ کر دیتا ہے۔ (یعنی بے ضرورت مکانات بنوانے اور سنوارنے میں خرچ کرتا ہے)۔ (مشکوٰۃ) (موجودہ زمانے میں اکثر انسانوں کی کمائی کا بڑا حصہ بس گھروں کو غیر ضروری بنانے اور سجانے میں خرچ ہو رہا ہے۔)

•••••☆☆☆☆☆•••••

اللہ کے نزدیک انسانوں کی کامیابی و ناکامی کا معیار

اس سورۃ میں انسانوں کو پیدا کرنے اور پالنے والے مالک نے انسانوں کی کامیابی و ناکامی کے معیار کو انسانوں کے عام تصور کے بالکل خلاف بتایا اور دعویٰ کے ساتھ اس بات کا اعلان فرمایا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِ ترجمہ (سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور حق بات اور صبر کی لوگوں کو وصیت کی)۔

انسانوں کی کامیابی اور ناکامی نہ مال و دولت کی افراط پر ہے اور نہ کوٹھی اور جائیداد کی کثرت پر اور نہ عہدہ، عزت واقتدار کے رعب پر اور نہ نام ونمود اور سلسلہ خاندان پر اور نہ اہل وعیال اور اولاد کی کثرت پر اور نہ ہی سائنس وٹکنالوجی کی ترقی پر بلکہ انسانوں کے خالق اور مالک کے نزدیک کامیابی صرف ان چار باتوں پر ہے۔

(۱) پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اپنے مالک اور پروردگار کو پہچانو اور اس پر ایمان لاؤ۔

(۲) اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی خوشنودی کیلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زندگی گذاردو۔

(۳) حق بات کی نصیحت اور وصیت (اپنے معاشرے میں) آپس میں کرتے رہو۔

(۴) اور ہر قسم کی تکلیف اور دشواریوں میں خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کریں، دین پر خود بھی جمے رہیں اور دوسروں کو بھی جمنے واستقامت کی ہدایت کرتے رہیں۔

اس سے ہٹ کر دنیا کا ہر وہ انسان جس میں یہ چار چیزیں موجود نہ ہوں ناکام و نامراد خسارے دار انسان ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی صاحبِ حیثیت واقتدار اور عزت والا ہی کیوں نہ ہو یا وقت کا بہت بڑا لیڈر رہی کیوں نہ ہو، وہ ناکام ونامراد ہے۔

بس ہر وہ شخص کامیاب و بامراد ہے جس کے پاس دنیوی اسباب مال و دولت اور جائیداد ہوتے ہوئے یا دنیوی اسباب سے بالکل خالی ہی کیوں نہ ہو اگر اس کے پاس ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی دولت ہو تو وہ کامیاب اور فلاح پانے والا انسان ہے۔

نجات اور کامیابی کی پہلی اور دوسری شرط

اس پگھلتی ہوئی برف کی حفاظت اور اس کو صحیح کرنسی میں تبدیل کرنے اور اس خسرانِ عظیم اور تباہی و بربادی سے نجات حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلی شرط ایمان لانا ہے اس کے بعد دوسری شرط اعمالِ صالحہ اختیار کرنا ہے۔ گویا انسان کی کامیابی اور نجات کیلئے دو بنیادی اور اہم شرائط ایمان اور اسلام کو اختیار کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔

''ایمان'' کا مادہ ''ا۔م۔ن'' ہے جس سے سادہ ترین لفظ ''امن'' بنتا ہے۔ جس کے معنی بالکل واضح ہیں یعنی بے خوفی' اطمینان' سکون اور چین۔

''اسلام'' کا مادہ ''س۔ل۔م'' ہے' جس سے بے شمار الفاظ بنتے ہیں لیکن ان سب میں جو مشترکہ مفہوم بنتا ہے وہ ہے ''سلامتی'' یعنی حفاظت و عافیت۔

دنیا کی آبادی پر غور کیجئے کہ اکثر انسان حقیقی ذہنی و قلبی سکون و اطمینان کی تلاش میں ہیں اور کوئی تو اس قلبی سکون کو حاصل کرنے کیلئے خدا کے نظر نہ آنے پر خدا کا انکار کرتے ہوئے اپنے اطراف مختلف قسم کے سکون و راحت دینے والے ظاہری اسباب جمع کر لیتا ہے مگر اسکو قلبی سکون حاصل نہیں ہوتا اور کوئی تو جانوروں کی طرح نفسانی زندگی گذار کر سکون حاصل کرنا چاہتا ہے مگر انکو سکون نہیں ملتا اور دنیا میں شراب' ناچ' گانا' بجانا وقت گذارنے کیلئے سیر و تفریح کرنا یا ناولوں اور کہانی قصوں کو پڑھنے اور دیکھنے میں وقت گذارنا گویا یہ سب سکون کو حاصل کرنے ہی کی کوشش میں کیا جاتا ہے مگر ایسے سارے کاموں سے کوئی سکون حاصل نہیں ہوتا۔ غرض انسان سامانِ راحت ضرور خرید سکتا ہے مگر سکون نہیں خرید سکتا' انسان بستر ضرور خرید سکتا ہے مگر نیند نہیں خرید سکتا۔ انسان دوا ضرور خرید سکتا ہے مگر صحت خرید نہیں سکتا۔

قرآن پاک نے انسان کو صاف صاف یہ بات سمجھادی ہے کہ دنیا اور آخرت میں حقیقی اور پائیدار سکون و اطمینان صرف اور صرف اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے مالک کو پہچاننے اور اس پر ایمان لانے اور اسکی اطاعت و فرمانبرداری کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یعنی دنیا اور آخرت میں انسان کی کامیابی اور فلاح' سکون و راحت کا دارومدار صرف ایمان اور اسلام کو اختیار

کرنے میں ہے۔ اسکے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں جو انسان کو حقیقی کامیابی اور سکون و راحت عطا کر سکے یعنی انسان کو ایمان اور اسلام ہی گھاٹے اور خسارے سے بچا سکتا ہے۔ دنیا میں جو انسان بھی ایمان اور اسلام سے خالی ہیں ان کی زندگی ناپاکیوں اور گندگیوں سے بھری پڑی ہے اور وہ زندگی کے ہر قدم پر گمراہی کا شکار بنے ہوئے ہیں، ان کو کسی طرح بھی صحیح راستے کی رہنمائی نہیں۔

ایمان اور اسلام کی حقیقت

غور کیجئے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر کامیابی کی یہ دو صفات ایمان اور اعمالِ صالحہ (اسلام) کو کثرت سے ایک ساتھ کیوں بیان کیا گیا ہے' ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کو کیوں نہیں منتخب کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کے دو رخ ہیں۔ ایک داخلی دوسرا خارجی یا ایک ظاہری دوسرا باطنی۔

داخلی یا باطنی کا تعلق انسان کی فکر' نظریہ اور اعتقاد سے ہے اور دوسرا رخ خارجی یا ظاہری کا تعلق عمل اخلاق اور کردار سے ہے اور یہ دونوں رخ ایک دوسرے سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں یعنی باہم۔ مربوط اور لازم و ملزوم ہیں۔

''صحیح فکر اور صحیح عقیدہ و اعتقاد سے اچھا عمل جنم لیتا ہے' غلط فکر اور غلط عقیدہ و اعتقاد سے برے اعمال پیدا ہوتے ہیں''۔

مثلاً ایک شخص اپنے دل و دماغ میں خدا کا انکار کر کے کافر بن جائے تو وہ اب اپنے عمل میں یا تو خود ساختہ طریقوں کی یا آباء و اجداد کی یا نفس اور خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے زندگی گذارے گا اور اللہ کے عطا کردہ دل میں خدا ہی کے خلاف خیالات رکھے گا۔ خدا کے دیئے ہوئے دماغ سے خدا ہی کے خلاف سوچے گا اور اللہ نے جو آنکھیں' جو زبان جو ہاتھ پاؤں اور دوسری چیزیں دی ہیں ان کو اللہ کی پسند اور اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرے گا۔ ایسے لوگ خود ساختہ فلسفۂ حیات کو بت بنا کر اس کی پرستش میں لگ جاتے ہیں۔

قلبی (ایمان و اسلام) امن و سلامتی سے انسان کے عمل میں بھلائی اور سلامتی پیدا ہوتی ہے اور ذہنی قلبی انتشار (ایمان و اسلام کے انکار) سے فساد خرابی اور آوارگی پیدا ہوتی ہے۔ غرض قرآن

حکیم نے انسان کی کامیابی اور فلاح کیلئے جو صحیح فکر وعقیدہ عطا فرمایا ان کا حسین عنوان ایمان قرار دیا اور عمل صالح کے ضمن میں جس صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی اسکا جامع اور خوبصورت عنوان اسلام قرار دیا ہے۔اس بحث کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس انسان یا معاشرے میں ذہنی وقلبی سکون واطمینان نہ ہو اور وہ قدم قدم پر گمراہی و بگاڑ میں مبتلا ہوں تو وہاں ایمان اور اسلام کے وجود کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہ انسان یا معاشرہ گھاٹے اور خسارے میں پڑا ہوگا۔

دنیا کے اس امتحان گاہ میں ایمان کا مطالبہ کیوں ہے؟

دنیا کو اللہ تعالیٰ ایمان بالغیب کی جگہ بنایا ہے اور دنیا کو دارالاسباب بنا کر اپنی بہت سی قدرت کو اسباب کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے مگر وہ خود کسی کو نظر نہیں آتا۔ چنانچہ انسان کو اپنی بہت سی ضرورتیں اسباب ہی سے پوری ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں اور بہت سے نقصانات بھی اسباب ہی سے ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ گویا انسان کو نفع ونقصان، خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی، زندگی اور موت اسباب ہی سے ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔اگر انسان کو صحیح رہنمائی نہ ملے تو وہ دھوکا بھی کھا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو حقیقی کارساز سمجھنے کے بجائے اسباب ہی کو سب کچھ سمجھ سکتا اور اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑنے اور اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرنے کے بجائے اسباب ہی سے اپنا تعلق جوڑ سکتا ہے اور گمراہ ہوسکتا ہے۔

وحی کے ذریعہ پیغمبروں نے انسانوں کو یہ تعلیم دی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا دارالاسباب ہے۔اسباب کے درمیان رہو، اسباب سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرو مگر نگاہ اسباب پر نہیں بلکہ اسباب کے پیچھے اللہ کی قدرت پر رکھو اور اللہ کو مانو، وہ اکیلا ہی نفع ونقصان دینے والا ہے اسلئے اللہ ہی کو اپنا مالک اور پروردگار مانو اور اللہ ہی سے ڈرو، اللہ ہی کا شکر ادا کرو، اللہ جیسی قدرت کسی میں نہ مانو۔

دنیا کے اس امتحان گاہ میں جو لوگ اللہ کے ساتھ اسباب میں بھی اللہ جیسی قدرت اور خوبی اور کمالات مانیں گے اور اسباب کو بھی خدا کے حقوق دیں گے وہ ایمان والے نہیں کہلائیں

گے مشرک اور کافر کہلائیں گے اور جو لوگ اسباب میں رہتے ہوئے اسباب کو بے حقیقت مان کر اللہ تعالیٰ کو اصل سمجھیں گے اور اللہ ہی کو شکر کے لائق سمجھیں گے وہ ایمان والے کہلائیں گے۔ بس امتحان اور آزمائش کیلئے اسباب کی دنیا میں رکھا گیا اور اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے ایمان لاکر اسی کی محبت میں عبدیت و بندگی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

دنیا کی اس زندگی میں ایمان روح اور جان کی طرح ہے

دنیا کی اس امتحانی زندگی میں ایمان کی حیثیت روح اور جان جیسی ہے۔ جس طرح جانداروں کے جسم میں روح اور جان ہوتی ہے اور وہ روح کے رہنے تک پلتے بڑھتے تروتازہ رہتے ہیں اسی طرح ایمان انسان کیلئے روح اور جان ہے جس انسان کے پاس ایمان ہوگا وہ روحانی طور پر ایک زندہ جیتا جاگتا تندرست انسان ہوگا اور جو لوگ ایمان سے خالی ہوں گے شرک اور کفر میں مبتلا ہوں گے ان کی مثال مردہ انسانوں جیسی ہوگی اور وہ دنیا میں چلتی پھرتی لاشوں کی مانند ہوں گے۔ مردہ جسم بظاہر جس طرح اندھا' بہرا اور گونگا ہوتا ہے اسی طرح غیر ایمان والے آنکھیں رکھ کر حق نہیں دیکھتے' کان رکھ کر حق نہیں سنتے اور زبان رکھ کر حق نہیں بولتے اور مردہ انسان جس طرح عقل استعمال نہیں کرسکتا اسی طرح غیر ایمان والے حرام و حلال کا تصور نہیں رکھتے۔ حق و باطل کو سمجھنا نہیں چاہتے۔ انسانی جسم غذاؤں سے پلتا بڑھتا اور نشوونما پاتا ہے اسی طرح انسانی روح ایمان اور اعمال صالحہ سے زندہ' تندرست اور سلامت رہتی ہے۔ اس لئے دنیا کی زندگی میں ایمان کی مثال روح کی مانند ہے۔

ایمان کی مختصر تفصیل ذہن میں رکھیئے

ایمان دراصل نام ہے اللہ تعالیٰ کو' اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو' اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو اور اللہ تعالیٰ کے حساب کے دن کو اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تقدیر کو ماننے کا۔ اگر کسی نے ان باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار کیا یا شک کیا تو وہ ایمان والا نہیں کہلاتا

ایمان باللہ (اللہ پر کس طرح ایمان لایا جائے)

انسان کا اللہ تعالیٰ کیساتھ تین بنیادوں پر تعلق جڑا ہوا ہے۔(ا) خالق اور مخلوق کی حیثیت سے (۲) عابد اور معبود کی حیثیت سے (۳) غنی اور محتاج کی حیثیت سے۔

انسان ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی کمی کردے یا انکار کردے تو شرک اور کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور گھاٹے اور خسارے کا شکار ہو کر جہنم کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔انسان کی زندگی میں یہ تین تعلق جب صحیح طریقے سے برقرار رہتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبدیت و بندگی صحیح طور پر کرسکتا ہے۔اس لئے انسان کو سب سے پہلے یہ تین تعلق سمجھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید پر مکمل طریقے سے ایمان لانا ہوگا۔

خالق اور مخلوق:- انسان یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھے کہ وہ بحیثیت انسان اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہے اور ان کا بنانے اور پیدا کرنے والا خالق اکیلا اللہ ہے جس نے بحیثیت خالق اس کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

عابد اور معبود:- انسان کو یہ بات بھی اچھی طرح یادرکھنی ہوگی کہ وہ اس کائنات میں اپنے مالک ہی کی عبدیت و بندگی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کو مالک کا عبد اور بندہ بن کر زندگی گذارنا چاہیئے ۔ وہ عبد ہوتے ہوئے عبدیت ظاہر کرے ۔ بندہ ہوتے ہوئے بندگی اختیار کرے۔دنیا کی جو چیز جس کام کیلئے پیدا کی گئی وہ وہی چیز اپنے سے ظاہر کرتی ہے انسان اپنی آزادی کا غلط فائدہ نہ اٹھائے۔

غنی اور محتاج :- انسان کو یہ بھی ہمیشہ یادرکھنا ہوگا کہ پوری کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر طرح سے غنی ہے وہ کسی کا محتاج اور مجبور نہیں اور اس کے مقابل انسان ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات اللہ ہی کے محتاج ہی محتاج ہیں اور بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے کچھ بھی نہیں کرسکتے' کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

توحید کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو ذیل کی چیزوں میں یکتا اور تنہا اور واحد ماننا ہوگا۔

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ''اس کی مثل اور مثال کوئی شئے نہیں'' شرعی اصطلاح میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی لائی ہوئی تمام باتوں کو سچا ماننا ایمان ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کو ذات میں اکیلا اور واحد ماننا (۲) اللہ تعالیٰ کو صفات میں اکیلا اور واحد ماننا (۳) اللہ تعالیٰ کو حقوق میں اکیلا اور یکتا ماننا (۴) اللہ تعالیٰ کو اختیارات میں اکیلا ماننا

(۱) اللہ تعالیٰ کو ذات میں اکیلا نہ ماننے سے مراد اسکے علاوہ کسی دوسرے کو خدا ماننا اور اسکے ساتھ چھوٹے چھوٹے خداؤں کو ماننا' اسکو کسی انسانی یا دیوتا کی شکل میں اوتار ماننا یا اسکا بیٹا' بیٹی اور بیوی ماننا اس کا خاندان اور قبیلہ ماننا' اسکی خیالی فوٹو اور تصویر بنانا یا پھر دل میں اسکی خیالی فوٹو سونچنا یہ سب اللہ تعالیٰ کو ذات میں اکیلا نہ ماننا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں شرک ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو صفات میں اکیلا اور یکتا نہ ماننے سے مراد اللہ تعالیٰ جیسی خوبیوں اور کمالات کو مخلوقات میں بھی ماننا۔ اور مخلوقات کو ان خوبیوں والا سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ میں جو صفات' خوبی اور کمالات ہیں وہ کائنات کے کسی ذرہ میں بھی نہیں ہیں۔ وہ اپنی صفات اور کمالات میں یکتا اور تنہا ہے۔ مخلوقات کو پیدا کرنا' زندگی اور موت دینا' صحت و تندرسی دینا' کامیابی و ناکامی دینا' ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنا' اولاد دینا نہ دینا' مخلوقات کی مشکلات و پریشانیوں کو دور کرنا' سزا دینا' معاف کرنا' دعائیں قبول کرنا' منت مراد پوری کرنا' رحم کرنا' حساب لینا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے کام ہیں۔ سوائے اسکے کائنات میں کوئی دوسرا ان کاموں کو نہیں کرسکتا۔ اسلئے اسی کو رب' خالق' رحمٰن' رحیم' مشکل کشاں' حاجت رواں' شافی الامراض' دافع البلیات' قادر مطلق مانا جائے تو توحید خالص ہوگی اور حقیقی ایمان ہوگا۔ اسکی مخلوق کو بھی ان کاموں میں سے کچھ کام کرنے والا مانا جائے تو شرک ہوگا۔ اس سے خالق اور مخلوق کا تعلق باقی نہیں رہے گا۔

مشرکان مکہ کے شرکیہ عقیدہ پر غور کیجئے: مشرکان مکہ کے شرک میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس بات کو تو اچھی طرح مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے' آسمان سے بارش برسانے والا اللہ تعالیٰ ہے' سورج اور چاند پر قدرت رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ رات سے دن نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہے زمین سے پیداوار اگانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سمندری طوفان سے بچانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر وہ اس توحید کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایمان وعقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے نیک بندے' بزرگ' اور دیوی دیوتا وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے تابع ہیں مگر اللہ نے خود

ان کو کچھ اختیارات دیئے ہیں اور وہ زمین کے مختلف انتظامات سنبھالتے ہیں۔

(۲) وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ نیک بزرگ لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں اور سفارش کر کے ہماری مرادیں پوری کراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں اور مرادیں ان کی سفارش کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

(۳) ہم مالک کائنات تک براہ راست نہیں جاسکتے یہی نیک لوگ ہم کو خدا تک پہنچانے کا واسطہ اور وسیلہ ہیں ان ہی کے ذریعہ ہم خدا کے دربار تک جاسکتے ہیں انکے بغیر نہیں جاسکتے

چنانچہ وہ اسی عقیدہ کے تحت ان کی خیالی مورتیاں اور بت بنا کر ان کو بھی خوش رکھنے کا عقیدہ رکھتے تھے اور باوجود یہ کہ وہ بیت اللہ میں ۳۶۰ بتوں کو بٹھا رکھے تھے مگر بیت اللہ کو بت خانہ کہہ کر نہیں پکارتے بلکہ بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر ہی مانتے اور کہتے تھے ان کے نزدیک ان کی حیثیت درمیانی واسطہ اور وسیلہ کی تھی اور وہ یہی سمجھتے تھے۔ وہ ان کو خوش رکھنے کیلئے اللہ کی طرح ان کی بھی پرستش اور پوجا کرتے اور ان سے دعائیں مانگتے منتیں و مرادیں بھی مانگتے اور ان کو اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں پکارتے اور حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی عقیدے کی وجہ سے کسی بت کو اولاد دینے والا' کسی بت کو تجارت میں نفع ونقصان دینے والا' کسی بت کو شادی بیاہ کرانے والا' کسی کو زندگی اور موت دینے والا سمجھتے تھے اور کسی بت کو صحت و بیماری کا دینے والا اور نجات دینے والا سمجھتے تھے۔ وہ بس یہ سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور اللہ کے تابع وفرمانبردار ہیں اور اللہ ہی نے انہیں یہ سب اختیارات دے کر دنیا کے مختلف کام کروا رہا ہے۔ ان کی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا اس لئے ان ہی سے دعائیں کر کے اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو ان کے پاس پیش کرتے تھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی دعاؤں کو قبول کروائیں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جس طرح دنیا کے ایک معمولی بادشاہ کے پاس بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے نہیں جایا جاسکتا۔ اس کے وزیر یا افسر ہی کے ذریعہ جانا پڑتا ہے تو یہ کائنات کا مالک جو سب سے بڑا ہے اس شہنشاہ کائنات کے پاس بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے کیسے جایا جاسکتا ہے اس لئے وہ ان کو خدا تک پہنچانے والے واسطے اور وسیلے سمجھتے تھے۔ اگر انسان کا یہ عقیدہ رہا تو اس کے بعد انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عابد اور معبود اور محتاج اور غنی کا

تعلق باقی نہیں رہے گا۔ اس کی تفصیل کیلئے سورہ یونس ۱۸ سورہ العنکبوت دیکھیئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو حقوق میں یکتا اور اکیلا نہ ماننے سے مراد: اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں وہ مخلوقات کو دینا' یہ شرک ہے۔ دنیا کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بیوی پر یہ حقوق ہوتے ہیں کہ وہ شوہر ہی سے محبت کرے' شوہر ہی کی خدمت کرے اور شوہر ہی کی اطاعت و غلامی کرے اگر وہ بیوی غیر مرد سے بھی محبت کرے' غیر مرد کی بھی خدمت کرے اور غیر مرد کی اطاعت و غلامی کرے تو یہ تعلق غلط ہو جائے گا۔ اور شوہر اور بیوی میں یہ تعلق خالص برقرار نہیں رہے گا۔ شوہر کے ساتھ غداری اور خیانت ہوگی اور شوہر کو برائے نام شوہر ماننا ہوگا۔ (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں) بالکل اسی طرح بندہ عابد ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود مانے اور بحیثیت اللہ معبود ہونے کے بندہ پر اللہ کے یہ حقوق عائد ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا شکر کرے' اللہ ہی کی عبادت کرے' اللہ ہی سے دعا' منت مراد مانگے اور اللہ ہی کی غلامی و بندگی کرے۔ اگر عبادت کو ہم پھیلائیں گے تو اس میں نماز' روزہ' حج' طواف' سعی' سب شامل ہیں اسی طرح قیام عبادت کا حصہ ہے۔ رکوع عبادت کا ایک حصہ ہے۔ سجدہ عبادت کا ایک حصہ ہے۔ دعا عبادت ہے۔ حمد' خوف' امید' محبت' و غلامی سب ہی عبادات ہیں۔ اب ذرا غور کیجئے جو اعمال خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں ان کو مخلوق کیلئے ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہوگا اور اس شرکیہ عمل سے انسان کا عابد اور معبود کا تعلق باقی نہیں رہے گا اور انسان خود محتاج اور غنی کے تعلق کو بھی توڑ لے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کو اختیارات میں واحد اور اکیلا نہ ماننے سے مراد: انسان کیلئے حرام و حلال' جائز و ناجائز' پاک و ناپاک کا قانون بنانا اس کے خالق اور مالک کا کام ہے اس کی جگہ اگر وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون پر زندگی گذارے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیارات میں شرک ہوگا۔ انسان کو یہ غور کرنا چاہیئے کہ سوائے زمین کے کائنات کے ہر حصہ ہر ذرہ پر اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا حکم نہیں چلتا اور ہر چیز اللہ ہی کے حکم پر حرکت کرتی ہے زمین پر چونکہ اللہ نے انسان کو کچھ اختیار اور آزادی دی ہے اور کائنات کی بہت ساری چیزوں کو اس کے تابع کیا ہے تو ایسی صورت میں انسان کا کام ہے کہ وہ زمین پر

اپنی خدائی نہ چلائے بلکہ اللہ پر ایمان لاکر اللہ تعالیٰ ہی کے احکام انفرادی واجتماعی زندگی میں نافذ کرکے زندگی گذارے جس طرح وہ اپنے جسم کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنا رہا ہے اسی طرح قانون زندگی کیلئے زمین پر بھی اللہ ہی کے احکام نافذ کرکے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو ظاہر کرنے والا بنے۔ اگر انسان زمین پر اقتدار ملنے کے باوجود انسانی احکام وقوانین کے تحت زندگی گذارے اور خدا کے قانون کو صرف کتاب ہی میں بند رکھے اور صرف تلاوت اور تقریروں ہی کی حد تک محدود رکھے تو وہ گویا اللہ کے اختیارات میں شرک کررہا ہے۔ اس لئے اس کو بحیثیت بندہ اور غلام ہونے کے اپنے آقا اور مالک کے احکام کو جاری کرنا چاہئے یا اس کی تڑپ اور خواہش' ارادہ رکھتے ہوئے زندگی گذارنا چاہئے۔ اگر اس نے اپنے مالک اور آقا کے احکام کی جگہ مالک ہی کے غلاموں کے بنائے ہوئے احکام وقوانین کو اچھا سمجھا اور استطاعت رکھنے کے باوجود انسانی قانون اور ضابطوں پر زندگی گذارا تو وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام میں شرک کررہا ہے۔ اس کی تفصیل سمجھنے کیلئے ہماری کتاب ''شرک کی مکمل نفی کئے بغیر توحید نہیں آتی'' دیکھیئے۔

ایمان بالکتب اور ایمان بالرسالت کو یقین کا درجہ دینا ایمان ہے: ایمان دراصل نام ہے دل سے یقین کرکے تصدیق بالقلب' اقرار باللسان زبان سے اقرار کرنے کا۔

جو بات زبان سے مانی جائے اور دل سے نہ مانی جائے وہ ایمان نہیں منافقت ہے اور جو بات دل سے مانی جائے اسکا اظہار زبان اور جسم کے اعضاء سے ظاہر کرنا دراصل دل کے اقرار کی تصدیق ہے۔ اسلام نے یہود ونصاریٰ اور منافقین کے ایمان کو رد کردیا اور صحابہؓ کی طرح ایمان لانے کی تعلیم دی۔ اسلئے حقیقی ایمان دراصل نام ہے کسی چیز کو دل کے یقین کے ساتھ مانا جائے۔ اگر کوئی انسان اس بات کی اطلاع دے کہ فلاں کمرے کے اندر کونے کے سوراخ میں ایک سانپ بیٹھا ہے اگر سانپ نظر بھی نہ آئے اور کسی نے سانپ کو دیکھا بھی نہ ہو تو اطلاع دینے والے انسان کی بات پر یقین کرکے مان لیا جاتا ہے اور کوئی بھی اس جگہ بیٹھنے اٹھنیسونے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ انکے یقین اور ایمان کی کیفیت ہوگی باوجود یہ کہ انہوں نے سانپ کو دیکھا نہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی یہ اطلاع سننے کے باوجود کمرے ہی میں بیٹھا اور سوراخ کے قریب سوتا رہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس شخص کو یقین ہی نہیں اس کو اس اطلاع پر ایمان ہی نہیں۔ اسکے عمل کی

حرکت اسکے یقین نہ ہونے کی اطلاع دے رہی ہے یا اگر وہ اس اطلاع کو مانتے ہوئے کبھی اس سوراخ کے قریب بیٹھے اور کبھی نہ بیٹھے تب بھی یہ کہا جائے گا کہ اس اطلاع پر اسکو شک ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں پر وحی نازل کر کے پیغمبروں کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ اللہ کی مرضیات اور نامرضیات کیا کیا ہیں۔ کن چیزوں سے اللہ راضی ہوتا ہے اور کن چیزوں سے ناراض' کونسی چیزیں گناہ اور کونسی چیزیں نیکی ہیں۔ حرام کیا ہیں' حلال کیا ہیں؟ فلاں فلاں کام کرنے سے جہنم رسید کر دیئے جاؤ گے' جہنم میں آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ اگر انسان یہ سب چیزیں جاننے کے بعد زبان سے تو اقرار کرے مگر عمل سے وہ تمام حرام' ناپاک اور ناجائز چیزوں ہی کو اختیار کرے اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کرے تو اس کا یہ ماننا حقیقت میں نہ ماننا کہلائے گا اور نہ ایمان کہلائے گا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ وہ قانونی اور فقہی ایمان تو ضرور رکھتا ہے حقیقی ایمان نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کو حقیقی ایمان چاہیئے۔ نجات اور کامیابی کیلئے حقیقی ایمان چاہیئے جو انسان کو اعمال صالحہ پر ڈالے۔ اس لئے کتاب اور رسول پر ایمان صرف جاننے کی حد تک نہ ہو بلکہ دل سے ماننے کی کیفیت ہو۔ کتاب کی باتوں کا یا پیغمبر کا صرف زبانی اقرار کر لینا ایمان نہیں کہلاتا بلکہ کتاب اور پیغمبر کی ہر بات کو سچا مان کر ان کے مطابق زندگی گذارنا ایمان کہلاتا ہے یہ گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ کتاب اور پیغمبر کو دل کی صداقت کے ساتھ مانا گیا دنیا کی زندگی میں انسان کی یہ حالت ہے کہ وہ کوئی خبر اور اطلاع ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ سنتا ہے کہ فلاں وقت ملک کے فلاں فلاں حصوں میں زلزلے آنے والے ہیں تو وہ ان باتوں پر اتنا یقین اور ایمان رکھتا ہے کہ ان اوقات میں گھروں کو چھوڑ کر سڑکوں پر بیٹھتا اور سوتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ انسانی اطلاع پر اتنا یقین اور ایمان ہے تو وحی اور رسالت کی اطلاعوں پر انسان کو کتنا یقین رکھنا چاہیئے۔ جو انسان کی موت کے بعد والی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے بننے اور بگڑنے کا دارومدار ہے۔ اس لئے کتاب اور پیغمبر پر ایمان صرف زبان سے مان لینے کا نام نہیں بلکہ ان کی تعلیمات پر عمل کر کے دل کے قبول کرنے کا اظہار کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ اگر عمل میں کمی ہو جائے تو توبہ کے ذریعہ رجوع کر لینا چاہیئے۔ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں میں سے کسی ایک کا بھی انکار اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کا انکار ہے۔

ایمان قبول کرنے کیلئے ایمان بالآخرت کا اقرار اور یقین بھی ضروری ہے:

دنیا کی دوسری قومیں ایمان بالآخرت تو ضرور رکھتی ہیں مگر ان کو دوبارہ پیدا ہونے کا یقین ہی نہیں وہ صرف برائے نام عقیدہ آخرت کو مانتی یا غلط تصورات کے ساتھ مانتی ہیں۔ عقیدہ آخرت ہی انسان کو کتاب اللہ اور پیغمبر کی اتباع کرنے پر مجبور کرتا ہے اور نافرمانی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دلاتا ہے۔ یہ عقیدہ جتنا کمزور اور ناقص اور ناکارہ ہوگا انسان کی زندگی اللہ کی عبدیت و بندگی سے اتنی ہی دور رہے گی اور وہ اللہ کی نافرمانی اور بغاوت میں زندگی گذار کر گھاٹے اور نقصان کی تجارت میں پھنسا رہے گا۔ اسی عقیدہ ہی کی وجہ سے انسان میں نیکی اور بدی کا تصور باقی رہتا ہے اور وہ اپنے آپ کو بے لگام گھوڑا نہیں بننے دیتا۔ اس عقیدہ کا انکار اللہ کی صفت عدل کا انکار ہے اور اسی عقیدہ سے انسان انسان بنتا اور جنت والی زندگی اختیار کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے گھاٹے اور خسارے سے محفوظ رہتا ہے۔ جن انسانوں کی زندگی میں اعمال رذیلہ ہیں تو سمجھ لو کہ وہ عقیدہ آخرت میں کمزور ہیں یا اس کے انکار کرنے والے ہیں۔

کائنات کی ہر چیز مسلم ہے

اسلام کے معنی عربی زبان میں اطاعت و فرمابرداری کے ہیں۔ مذہب اسلام کا نام اسلام اس لئے رکھا گیا کہ یہ اللہ کی اطاعت و فرمابرداری ہے۔ لفظ اسلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص صفت کو ظاہر کرتا ہے اور یہ لفظ کسی خاص قوم یا علاقے کے لوگوں کیلئے مخصوص نہیں بلکہ یہ خاص صفت جس چیز میں بھی موجود ہوگی وہ مُسلِم ہوگی، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر قوم کے وہ ایماندار افراد جنہوں نے مرتے دم تک اللہ کی اطاعت و فرمابرداری کی ہے ان کا مذہب اسلام تھا اور وہ مُسلِم تھے اور قیامت تک جو بھی انسان ایمان کے ساتھ اسلام پر زندگی گذارے گا وہ مُسلِم کہلائے گا۔

اب ان معنیٰ و مفہوم کو سامنے رکھ کر جن و انس کے علاوہ کائنات کی ہر چیز پر غور کیجئے تو نظر آئے گا کہ ہر چیز مُسلِم ہی مُسلِم ہے اور ان کا مذہب صرف اور صرف اسلام ہے۔ غور کیجئے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر سوائے حق تعالیٰ کے کسی کا حکم نہیں چلتا اور وہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے

مقرر کردہ قوانین سے قطعی انحراف نہیں کرتیں جن و انسان کے علاوہ عرش سے لے کر فرش تک ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرمابرداری میں لگی ہوئی ہے اور وہ اپنی اپنی بولی میں خدا کو یاد کرتی ہیں انکے پاس نافرمانی کا کوئی تصور ہی نہیں۔

مثلاً سورج سوائے اللہ کے کسی کی اطاعت نہیں کرتا وہ اللہ کے حکم سے نکلتا اور اللہ کے حکم سے ہی غروب ہوتا ہے۔وہ ہزار ہا برس سے برابر روشنی دیئے جارہا ہے۔کبھی نافرمانی اور بغاوت نہیں کرتا اس پر کسی حکومت' بادشاہ یا کسی فوج کا حکم نہیں چلتا اور نہ ہی اس پر کسی انسان' درخت اور پہاڑ کا حکم چلتا ہے۔بس اطاعت ہی اطاعت کئے جارہا ہے' اس لحاظ سے اس کا مذہب اسلام ہوا اور وہ مسلم ہے۔

اسی طرح ہوا' پانی اور زمین پر کسی بادشاہ' یا فوج یا حکومت کا حکم نہیں چلتا اور نہ وہ خدا کے علاوہ کسی کی اطاعت کرتے ہیں' صرف اللہ کے حکم پر اللہ ہی کی اطاعت و فرمابرداری کئے جارہے ہیں۔کبھی نافرمانی اور بغاوت نہیں کرتے' اس لحاظ سے ان کا مذہب اسلام ہے اور وہ مسلم ہیں۔ اسی طرح غور کیجئے کائنات کی ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے ہی کی اطاعت و فرمابرداری کئے جارہی ہے اس لئے ساری کائنات کا مذہب اسلام ہے اور وہ مسلم ہیں۔

انسان اور دوسری مخلوقات میں سب سے بڑا فرق

انسان اور دوسری مخلوقات کی تخلیق میں ایک بنیادی فرق ہے' دنیا کی دوسری تمام مخلوقات کو جو کچھ بننا ہوتا ہے وہ فطری طور پر از خود بن جاتی ہیں' فطرتِ الٰہی نے ان کے اندر جو کچھ بننے کے امکانات رکھے ہیں وہ خود بخود تکمیل کو پہنچ کر اس کو اپنی نوع کا مکمل فرد بنا دیتے ہیں۔انسان کی طرح مزید محنت اور تربیت کی ضرورت ان کو نہیں ہوتی۔

مگر انسان کی حالت کچھ اور ہے۔اللہ نے اس میں دو قسم کی صلاحیتیں رکھی ہیں' ایک حیوانی یا طبعی جو دیگر حیوانات کی طرح از خود نشو و نما پا کر ایک حد تک پہنچ جاتی ہے اور انسان بالآخر حیوان ناطق یعنی آدمی بن جاتا ہے۔

آدمی کسے کہتے ہیں؟ جس میں ہاتھ' پیر' آنکھ' ناک' کان' دل و دماغ' ضمیر ہوش و حواس

بھوک و پیاس' ارادہ و اختیار' اچھے برے کا خیال خوشی اور غم کے احساسات ہوتے ہیں' وہ ساری چیزیں جو ایک عام انسان میں ہونی چاہئے ان سب کا مجموعہ آدمی کہلاتا ہے جو دنیا کے ہر انسان کے پاس ہوتی ہیں۔

مگر اسکے علاوہ دوسری صلاحیت جو انسان میں ہے وہ از خود نشو ونما نہیں پاسکتی اس کیلئے مناسب تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے (سوائے چند استثناء کے) اگر عام حالات میں اس دوسری صلاحیت اخلاق و روحانیت کی تربیت نہ کی جائے تو انسان مکمل انسان بننے کے بجائے آدھا انسان' آدھا شیطان یا پورے کا پورا شیطان یا پھر آدھا انسان اور آدھا حیوان بن جاتا ہے یعنی یا تو کافر بنے گا یا مشرک بنے گا یا پھر آدھا مسلم بنے گا اور آدھا غیر مسلم بنے گا۔ اگر انسان کی تربیت کی جائے تو یہ فرشتوں سے بھی آگے بڑھ کر اللہ کا بہترین پسندیدہ عبد اور بندہ بن جاتا ہے

انسان اور دوسری تمام مخلوقات میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ انسان کو ارادے و اختیار کی آزادی دی گئی ہے اور ایک خاص شرفِ عظیم سے اس کو نوازا گیا ہے جو دوسری کسی بھی مخلوق کو عطا نہیں کیا گیا۔ دوسری تمام مخلوقات مجبور اور پابند ہیں کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت واطاعت کرتی رہیں مگر یہ انسان ہی کی سرفرازی و سربلندی اور عظمت کا باعث ہے کہ اسے ارادے اور اختیار کے ساتھ اطاعت وعبادت کا موقع عطا کیا گیا اور انسان کی شرافت' کامیابی اور فلاح کی بنیاد بھی یہی ہے کہ وہ اس آزادی اور اختیاری ارادے کی صلاحیت رکھتے ہوئے اطاعت وعبادت کی روش اختیار کرلے۔ انسان کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ وہ نفس کا مقابلہ کرکے عبادت واطاعت کرے' بدی کی استطاعت حاصل ہونے کے باوجود نیکی کی راہ پر چلنا' انتقام کی قوت رکھنے کے باوجود عفو و درگذر کرنا' صحیح وغلط دونوں راستوں کو اپنے اطراف دیکھتے ہوئے صحیح راہ پر چلنا کمال کی بات ہے اور عبادت واطاعت وہی زیادہ قابل قدر ہے جو مقابلہ کرکے کی جائے' نیکی دراصل وہی نیکی ہے جو بدی کی قوت رکھتے ہوئے کی جائے۔ اختیار رکھتے ہوئے اپنے اوپر کنٹرول کیا جائے' نفس کا مقابلہ کرکے کی جائے۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ انسان کو اختیار و ارادہ دراصل جانچ اور امتحان کیلئے دیا گیا ہے کہ آیا وہ اپنے اس اختیار اور ارادے کو اپنے پیدا کرنے والے مالک کے حکم کے

مطابق استعمال کرتا ہے یا نہیں ۔اگر اس نے اپنے اختیار و ارادے کو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کیا تو اس نے گھاٹے اور خسارے کا سودا کیا اور اپنی عمر کی برف کو ضائع و برباد کیا اور اپنی پونجی کو بہاڈالا اور اگر اس نے اس ارادے و اختیار کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کیا تو اس نے اپنی برف کی حفاظت کر لی اور اپنے آپ کو گھاٹے اور خسارے سے بچا کر کامیابی اور فلاح کی طرف چلا گیا۔

اس تشریح سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اس اختیار و ارادے کی آزادی میں صحیح وغلط' کامیابی و ناکامی' گھاٹے اور خسارے دونوں کے امکانات ہیں۔اس لئے اللہ نے ہر انسان میں پیدائش کے ساتھ ہی ضمیر و عقل کی بھی صلاحیت ودیعت کر دی ہے ۔ضمیر ہمیشہ ہر انسان کو اس کے اختیار و ارادے کی آزادی کے غلط استعمال کی ملامت کرتا اور صحیح استعمال کرنے کا احساس دلاتا ہے ۔عقل کے ذریعہ انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ کون سا راستہ صحیح اور کون سا غلط ہے' کون سا کام صحیح کونسا غلط ہے مگر عقل کی رہنمائی بھی ایک خاص حد تک محدود ہے اور اکثر غلطی بھی کھا جاتی ہے ۔ اس لئے انسان کی مکمل تربیت اور کامیابی کی طرف رہنمائی اور گھاٹے اور نقصان سے بچانے اور اختیار و ارادے کو اللہ کی مرضی پر استعمال کا طریقہ بتلانے کے لئے وحی و رسالت کا انتظام کیا گیا اور اس وحی و رسالت ہی سے انسان کے عقیدہ و اعتقاد فکر و خیال' اخلاق و کردار کی روحانی تربیت ہوتی ہے اور انسان صحیح معنی میں مکمل انسان بن کر اللہ کا بندہ اور عبد کہلاتا ہے جو انسان بھی اس ہدایت وحی و رسالت کی پیروی کرے گا وہ ہی انسان شرعی زبان میں اہل ایمان کہلائے گا اور وہ گھاٹے اور خسارے سے محفوظ رہے گا اور اس ہدایت پر عمل بھی اسلام ہی کی وجہ سے ہوگا مگر یہ اختیار و ارادے والا اسلام ہوگا جو کائنات میں کسی اور کو حاصل نہیں بس اس اسلام پر عمل کرنے کیلئے ایمان لازمی ہے۔اسکے علاوہ جو لوگ بھی اس ہدایت کا انکار کریں گے اور اسکے خلاف زندگی گذاریں گے اسکا نتیجہ تباہی و بربادی اور ناکامی ہوگا وہ ایک دن گھاٹے اور خسارے سے دوچار ہوں گے۔

ہر انسان فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے مسلم ہی ہے

دنیا میں ہزاروں' لاکھوں انسان ایسے ہیں جو اس اختیار و ارادے کی آزادی کا غلط استعمال کرتے ہوئے یا تو اللہ کا انکار کر کے کافر بن جاتے ہیں یا پھر خدا کے علاوہ کئی خداؤں کا تصور قائم کر کے مشرک بن جاتے ہیں۔ حالانکہ ان انسانوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ وہ بھی فطرت اور طبعیت کے لحاظ سے مسلم ہی ہیں اور انکے جسم کے اعضاء کا مذہب اسلام ہی ہے کیونکہ انسان کا کل جسمانی نظام اللہ کے قوانین طبعی یعنی فطرت الٰہی کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے۔ یہ تمام اعضاء خدائی قانون کے مطابق بنتے' بڑھتے اور اسی کے حکم کے مطابق حرکت کرتے رہتے ہیں۔ کوئی عضو بھی اپنی ذمہ داری سے ہٹ کر کام نہیں کر سکتا اور نہ انسان ہی انکے کام سے ہٹ کر کام لے سکتا ہے مثلاً کوئی انسان آنکھ سے سننے' کان سے بات کرنے اور زبان سے دیکھنے کا کام نہیں لے سکتا۔ یہ تمام اعضاء انسان کی نہیں اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں۔ مثلاً بھوک و پیاس کا لگنا یہ اللہ کے فطری قانون کے مطابق محسوس ہوتا ہے اور انسان کھانا کھانے اور پانی پینے میں مجبور و محتاج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نیند بھی فطرت الٰہی کے قانون کے تحت خود بخود انسان پر آنا شروع ہو جاتی ہے اور انسان سونے کیلئے مجبور ہو جاتا ہے۔ بس جب تک اللہ کا حکم ہو یہ فطری نظام انسان کا ساتھ دیتا ہے اور جب حکم ختم ہو جاتا ہے تو یہ تمام اعضاء بھی اپنی اپنی ڈیوٹی بند کر دیتے ہیں اور یہی انسان آنکھ رکھ کر دیکھ نہیں سکتا۔ کان رکھ کر سن نہیں سکتا اور دماغ رکھ کر یادداشت کھو دیتا ہے۔ نیند غائب ہو جاتی ہے اور بھوک مٹ جاتی ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان کے جسم کا ایک ایک رونگٹا مسلم ہے اور ان کا مذہب اسلام ہی ہے کیوں کہ وہ صرف اپنے پیدا کرنے والے ہی کی اطاعت و فرمابرداری کر رہے ہیں اور وہ پیدا ہونے' زندہ رہنے اور مرنے میں خدائی قانون ہی کے محتاج و مجبور ہیں۔ ان کیلئے اس قانون سے انحراف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ): سو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو' اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام

آدمیوں کو پیدا کیا ہے' بدلنا نہ چاہیئے پس سیدھا دین یہی ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورہ روم: ۳۰)

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اگر یہودی ہوتے ہیں تو اس بچہ کو یہودی بنا لیتے ہیں اور اگر اسکے والدین نصرانی ہوتے ہیں تو اس بچہ کو نصرانی بنا لیتے ہیں یا مجوسی ہوتے ہیں تو مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اب انسان کو اس بات کا اختیار و آزادی ہے کہ وہ اپنی اس فطرت سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہوئے کامیابی اور فلاح کو پالے یا پھر اس فطرت کے خلاف چل کر گھاٹے اور خسارے سے دوچار ہو جائے۔

غور کیجئے کہ انسان کی وہ زبان جو فطرتاً مسلم ہے اور انسان کو اختیار و ارادے کی آزادی کے ساتھ امتحان کیلئے دی گئی۔ اگر انسان اسکا استعمال اپنی ہٹ دھرمی' کٹ حجتی یا ماحول کے دباؤ اور معاشرہ کی غلط رہنمائی کی وجہ سے غلط کرتے ہوئے اپنے پیدا کرنے والے کا انکار کردے یا خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے ہوئے پیغمبر کو نہ مانے اور پیغمبر کی لائی ہوئی تعلیمات کے خلاف چلے تو اس نے کفر اور شرک کیا اور اپنے آپ کو غیر مسلم اور غیر ایمان والا بنا ڈالا

اسی طرح وہ دل و دماغ اور ضمیر جو فطرتاً مُسلِم ہیں اور انسان کو اس کے اختیار و ارادے کی آزادی کے ساتھ امتحان کیلئے دیئے گئے ہیں' انسان اگر جان بوجھ کر اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف اپنی نادانی اور ہٹ دھرمی سے غیر اللہ کی محبت و عظمت کو اپنے اندر بٹھالے اور انسانی ترغیبات پر خدا کا انکار کر کے یا خدا کے ساتھ شرک کر کے نفسانی خواہشات کا غلام بن جائے تو اس نے اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ نافرمانی اور بغاوت کی اور اپنے اختیارات و ارادوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے گھاٹے اور خسارے کا سودا کیا۔

اس تشریح سے انسان کی زندگی کی دو حیثیتیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ پہلی حیثیت میں وہ دنیا کی تمام دوسری مخلوقات کے ساتھ پیدائشی طور پر مُسلِم ہے اور مُسلِم ہونے پر مجبور بھی ہے اور دوسری حیثیت میں مسلم ہونا یا نہ ہونا اس کے اختیار و ارادے میں ہے۔ اسی اختیار کی بنا پر انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کامیابی اور فلاح والے انسان (۲) گھاٹے اور خسارے والے انسان

مسلمان بننا اور نہیں بننا انسان کے اختیار' پسند اور مرضی پر ہے

اس تشریح سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان بننا اور نہ بننا انسان کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو امتحان گاہ بنا کر کچھ انسانوں کو اجالے والے ماحول میں اور کچھ انسانوں کو اندھیرے والے ماحول میں پیدا کیا اور دونوں کی فطرت صحیح رکھی۔ اب دونوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بحیثیت اجالے والے ہونے کے اجالے میں چلیں اور اندھیرے والوں کو اجالے کی طرف بلائیں۔ بحیثیت انسان اللہ نے ان کو امتحان کی خاطر مسلم ماحول اور مسلم ماں باپ کے گھروں میں پیدا کیا اور وہ خاندانی' نسلی اور روایتی انداز پر مسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کو مسلم ماحول عطا کیا اب وہ اپنی مرضی اور پسند اور چاہت سے مسلمان بن کر بتائیں اور دوسرے انسانوں کو مسلمان بننے کی دعوت دیں۔ قرآن مجید نے انسانوں کو ان الفاظ میں یَـا اَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْا اٰمِـنُـوْا (اے ایمان والو ایمان لاؤ) یعنی اے وہ لوگو جو مسلم ماحول مسلم معاشرے میں پیدا کئے گئے ہو اپنے آپ کو حقیقی اور شعوری ایمان والے بناؤ اور اپنی چاہت اور پسند سے اسلام پر چلو۔ جو لوگ اندھیرے میں پیدا کئے گئے ہیں ان پر یہ امتحان ہے کہ وہ اندھیرے میں رہتے ہوئے جب بھی انکو اجالا نظر آئے یا اجالے کی دعوت دی جائے تو وہ اندھیرے کو چھوڑ کر فوراً اجالے کی طرف آجائیں یا اجالے کو تلاش کر کے اجالے میں آجائیں اس پر ان کو دوہرا ثواب ہے۔ ایک تو اندھیرے کو چھوڑنے کا اور دوسرا اجالے کو اپنی پسند سے اختیار کرنے کا۔ بس اب اس امتحانی اور آزمائشی زندگی میں ایمان والا بننا اور نہیں بننا انسان کے اختیار' پسند مرضی اور خواہش پر ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول نے فرمایا' ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے' اس کے ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ کوئی بھی انسان پیدائشی طور پر حقیقی مسلمان نہیں اس کو اس امتحان گاہ میں اپنی پسند سے مسلمان بننا ہوگا۔

انسان کی یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح مرغی سے مرغی' گھوڑے سے گھوڑا' ہاتھی سے ہاتھی اور درخت سے درخت پیدا ہوتا ہے بالکل اسی طرح مسلمان سے مسلمان کا بچہ پیدا ہوتا ہے اور غیر مسلم سے غیر مسلم بچہ پیدا ہوتا ہے بلکہ ایسا نہیں ہے چاہے

مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو ہر ایک سے انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اس کو چاہیں تو یہودی چاہے تو نصاریٰ اور چاہے تو مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔ اس لئے اس تشریح میں ذرا سوچئے کہ کیا واقعی ہم اپنے بچوں کو مسلمان بنا رہے ہیں۔

ایمان کی مثال ایک بیج اور بنیاد یا جڑ کی ہے

اعمال اسکے پتے ڈالیاں اور پھل پھول یا اسٹکچر ڈھانچہ ہیں

ایمان سبب ہے اور عمل اس کا نتیجہ' چنانچہ اندر جیسا ایمان ہوگا باہر ویسا ہی عموماً اسلام وجود میں آئے گا یعنی یوں سمجھئے کہ ایمان کی ظاہری شکل وصورت اسلام ہے۔ ایمان اگر کمزور ہوگا تو اسلام بھی سطحی ہوگا۔ ایمان صرف زبانی اقرار تک محدود ہوگا تو اللہ کی اطاعت وفرمابرداری بھی بس زبان تک محدود رہے گی اور اگر ایمان گہرا اور پختہ ہوگا تو اسلام بھی حقیقی اور واقعی ہوگا۔ اس کو ان مثالوں سے یوں سمجھئے۔ مثلاً اسلام کے نظام کو اگر ایک عمارت سے تعبیر کیا جائے تو ایمان اس عمارت میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ بس جس عمارت کی بنیاد کمزور ہو تو اس پر کسی بالائی منزل کا بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ پائدار اور مضبوط وہی عمارت ہوتی ہے جس کی بنیاد پائدار اور مستحکم ہو' اسی طرح مضبوط ایمان کی بنیاد پر ہی اسلام کی پختہ عمارت' اعمال صالحہ کی شکل میں تعمیر ہوسکتی ہے اور اگر بنیاد ہی نہ ہو تو تعمیر کا کیا سوال؟

اسی طرح اگر ایمان کو جڑ سے تشبیہ دی جائے تو یہ بات ہمارے مشاہدے کی ہے کہ چاہے کتنے ہی بڑے درخت کی جڑ ہو لیکن جڑ کمزور ہو تو درخت مضبوط اور تناور نہیں ہوتا۔ اس کے پھول بے رنگ' پھل بدمزا' کمزور اور پھیکے اور مرجھائے ہوئے ہوتے ہیں' ہوا کا ایک جھونکا اسے اکھاڑ پھینک دیتا ہے' اس کے برعکس مضبوط جڑ کا درخت طاقتور اور تناور ہوتا ہے اور شدید طوفان کے باوجود مضبوطی کے ساتھ جما رہتا ہے۔ اس کے پھولوں اور پھلوں میں تازگی' مٹھاس اور طاقتور پروٹینس ہوتے ہیں۔ شاید موجودہ دور میں ہمارا ایمان کمزور ہے اسی لئے ہمارے ایمان کے درخت کے پتے' پھول' پھل یعنی اعمال صالحہ بھی بے روح اور بے رونق بنے ہوئے ہیں اور انکے کوئی عمدہ نتائج نہیں نکل رہے ہیں۔

اعمال صالحہ ایمان کا عکس، سایہ اور نتیجہ ہے

ایمان کے بعد خاص طور سے اعمال صالحہ اختیار کرنے کی شرط رکھی گئی۔ خسارے اور گھاٹے سے وہی انسان بچ سکتا ہے جو ایمان لاکر اعمال صالحہ اختیار کرے صرف ایمان لاکر بیٹھ جانا نجات کیلئے کافی نہیں، جو لوگ ایمان ہی کو نجات کیلئے کافی سمجھتے اور انسانوں کو اعمال صالحہ اختیار کرنے کو ترغیب نہیں دیتے انکو اس سورۃ کے پورے مضمون کو ذہن میں رکھ کر بات کرنا چاہیئے کہ وہ انسانوں کو اعمال صالحہ سے روک کر قرآن مجید کی تعلیم کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب بھی انسان شرک اور کفر میں مبتلا ہوئے اور اپنے مالک و پروردگار کے احکام کے خلاف چلے تو اعمال رذیلہ کا شکار ہوئے، انکی معاشرت انکی سیاست، انکے اخلاق، انکی انفرادی زندگی، انکی اجتماعی زندگی اور انکی حکومت سب کچھ گندی اور ناپاک رہی اور زمین پر فساد ہی فساد برپا ہوا اور نت نئے ایجادات اور سامان راحت کی کثرت کے باوجود انکو خون خرابے، فتنہ وفساد، بدامنی اور بے اطمینانی اور ناانصافیوں کا سامنا کرنا پڑا اور پڑ رہا ہے۔

موجودہ زمانہ میں تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ علمی اور فنی ترقیوں کے باوجود بڑی سے بڑی ڈگریاں رکھنے کے باوجود آج ساری دنیا پر خوف ودہشت، فساد، ظلم و بربریت کی کیفیت چھائی ہوئی ہے وہ صرف اور صرف اسی وجہ سے کہ دنیا کے انسانوں نے اللہ کا انکار کرکے یا اللہ کے ساتھ شرک کرکے اپنے جیسے مجبور ومحتاج انسانوں کے اصولوں پر عمل کی راہ اختیار کی اور ان کی زندگیاں اعمال صالحہ سے خالی ہوگئیں۔

ایمان اور اعمالِ صالحہ کو جانچنے کا بہترین طریقہ

فرض کیجئے ایک جھاڑ کا تنا جو زمین میں گڑھا ہوا ہے اور اس کو کوئی ڈالیاں پتے پھول پھل نہیں ہیں تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اس تنے کی جڑیں زمین میں موجود نہیں ہیں اور وہ بغیر جڑوں کے صرف زمین میں گڑا ہوا ہے۔

اس کے برخلاف اگر اسی تنے کو ڈالیاں، پتے، پھل، پھول موجود ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے

کہ اس تنے کی جڑیں پوری طرح زمین میں پھیلی ہوئی ہیں اور جڑوں ہی کی وجہ سے اس پر ڈالیاں، پتے، پھول، پھل ظاہر ہو رہے ہیں۔یعنی جڑیں موجود ہوں تو ڈالیاں اور پتے نکلیں گے اور ڈالیاں نہیں پھوٹ رہی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جڑیں موجود نہیں۔

بس یہی حال ایمان وعمل صالحہ کا ہے، ایمان دل میں ہوگا تو پھر ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، زبان یعنی جسم کے ہر حصے سے اعمال صالحہ کی ڈالیاں پتے پھول نکلیں گے اور اگر اعمال صالحہ نہیں نکل رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کی جڑیں موجود نہیں (یہاں بحث فقہی اور قانونی ایمان کی نہیں بلکہ حقیقی اور شعوری ایمان کی ہو رہی ہے)

اسی طرح ایک اور مثال سے یوں سمجھئے کہ بجلی کی کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی مگر بجلی کے ہونے یا نہ ہونے کا اظہار بلب، کولر اور پنکھے کے ذریعہ ہوتا ہے۔اگر بلب روشن ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ بجلی موجود ہے اور اگر بلب، کولر اور پنکھا بند پڑا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بجلی موجود نہیں، بجلی صرف وائروں ہی تک محدود رہے اور اپنے اثر کو بلب، کولر اور پنکھے میں ظاہر نہ کرے تو ایسی بجلی کو کوئی گھر میں رکھنے کیلئے بھی تیار نہ ہوگا۔بلب اگر خراب ہو تو اس پر کسی کو شکایت نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایمان اگر دل میں اتر جائے تو اس کی روشنی جسم کے مختلف اعضاء سے اعمال صالحہ کی شکل میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اعضاء معذور ہوں تو شریعت کی اس پر کوئی شکایت ہی نہیں اسی لئے ایمان جیسے ہی دل میں جگہ پکڑتا ہے تو سب سے پہلے اسلام کا رکن دوم نماز اس سے ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''مومن بندے اور کفر میں فرق کرنے والی چیز نماز ہے'' (مسلم) اور مشکوٰۃ کی حدیث میں ارشاد ہے ''جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس نے کفر کیا'' اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے کہ نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز مومنوں کی معراج ہے۔

•••••☆☆☆☆☆•••••

موجودہ زمانے میں دین کے نام پر اتنی محنتیں ہونے کے باوجود مسلمانوں میں اعمالِ صالحہ کیوں پیدا نہیں ہو رہے ہیں

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی اصلاح کا جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے اس میں بہت بڑا نقص ہے۔ کہیں بیمار کی بیماری کچھ ہے اور علاج کچھ کیا جا رہا ہے اور کہیں شکر کے مریض کو خوب میٹھا کھلایا جا رہا ہے یعنی تشخیص صحیح نہ ہونے کی وجہ سے فائدہ نہیں ہو رہا ہے اور مسلمان بے عمل کے بے عمل ہی ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر نسل کے بعد جو نسل آ رہی ہے وہ ایمانی اعتبار سے کمزور ہی کمزور نظر آ رہی ہے۔ دین کے نام پر جتنی محنتیں، جتنا ریسرچ، جتنی کتابیں اور جتنے مدارس اور جتنے جلسے اور اجتماعات آج وجود میں آ رہے ہیں شائد ہی کسی دور میں اتنا کام ہوا ہو مگر نتیجہ بالکل ہی کم اور مختصر ہے۔ یعنی یوں سمجھئے کہ منفی ہے۔

اس کی سب سے بڑی اور اصل وجہ یہ ہے کہ کمزور اور تقلیدی ایمان کو پختہ اور شعوری بنائے بغیر اعمالِ صالحہ یعنی اسلام کی ترغیب دی جا رہی ہے اور اسلام کے نام پر وضو سے لے کر دفن ہونے تک بڑی بڑی کتابیں اور مسائل لکھے جا رہے ہیں مگر ایمانیات پر کوئی محنت نہیں ہو رہی ہے اور نہ اللہ کا تعارف اور اس کی صفات کو سمجھانے کیلئے کوئی خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ ایمان ہی کی بحث پر مشتمل ہے۔

موجودہ معاشرے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر انسان جو مسلم گھرانوں اور ماحول میں پیدا ہوئے ہیں شعوری ایمان نہیں رکھتے بلکہ تقلیدی اور کمزور ایمان رکھتے ہیں، ان کے اندر بھی وہی شکوک وشبہات جنم لئے ہوئے ہیں جو غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کے تعلق سے ہیں۔ تقلیدی ایمان سے آدمی کے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی اور تقلیدی ایمان سے بے جان افراد پیدا ہوتے ہیں۔

ایک انسان جو مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہو اور جس کا نام دواخانہ اور بلدیہ کے دفتر، اسکول کے سرٹیفکٹ اور حکومت کے رجسٹر اور راشن کارڈ میں مسلمانوں کے خانوں میں لکھا ہوا ہو اور جو

بچپن سے بے شعوری کے ساتھ اپنے باپ دادا کو نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا دیکھ کر ان کی اندھی تقلید کرتا ہوان کو ہم پیدائشی طور پر شعوری ایمان والا سمجھتے ہوئے ایمانیات سمجھائے اور سکھائے بغیر ہی اسلام کی ترغیب بچپن سے دیتے رہتے ہیں اور موجودہ زمانے میں تو ہزاروں بچوں کو شعوری ایمان کی تعلیم دیئے بغیر ہی بس حفظ قرآن کرادیا جارہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج کل لوگ زبان سے تو اسلام کی بات خوب کرتے ہیں مگر ان کے عمل میں اسلام نظر نہیں آتا اور ان کو اعمال صالحہ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔

دنیوی تعلیم کیلئے جب کوئی مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو اس مدرسہ میں ہر سال جو نئے بچے شریک ہوتے ہیں ان کی تعلیم کا آغاز ہر سال بنیادی تعلیم اے' بی' سی' ڈی سے کیا جاتا ہے اور چاہے مدرسہ کتنا ہی قدیم کیوں نہ ہوجائے' پرائمری میں شریک ہونے والے ہر نئے بچے کو پرائمری کی ہی تعلیم جو بنیادی حیثیت رکھتی ہے حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔مگر اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں دینی اور روحانی تعلیم کا طریقہ کار بالکل ہی بدل گیا' لوگوں کو خاندان درخاندان مسلمانوں کے ماحول اور گھروں میں پیدا ہوتے ہوئے دیکھ کر ہر نسل کو پیدائشی طور پر ایمان والا تصور کرتے ہوئے صرف اسلام ہی کی ترغیب دی جارہی ہے۔

ہر نئی نسل کو ایمانیات سمجھانے اور سکھانے کا صرف رسمی طریقہ کار بنا ہوا ہے' ایمانیات کے نام پر ایمان اور اللہ کی غیر موثر تعریف رسمی طور سے یاد دلائی جاتی ہے۔فرشتوں' آسمانی کتابوں اور کچھ پیغمبروں کے نام اور ان کے حالات رسماً یاد کرائے جاتے ہیں' کچھ دعائیں' چھوٹی چھوٹی سورتیں بغیر سمجھائے اور نماز روزہ کی محض تعداد یاد کرادی جاتی ہے۔نیز بغیر سمجھے قرآن پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔دینیات کو قصے کہانیوں کی شکل میں پڑھایا جاتا ہے اور زیادہ تر دینی تعلیم رٹا کردی جاتی ہے جس سے بچہ میں کوئی شعور ہی بیدار نہیں ہوتا اور پھر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ پورا ایمان والا بن گیا۔صرف چند الفاظ کو یاد کرانے یا اللہ کی تعریف کو بغیر سمجھائے اردو اور عربی میں یاد دلا دینے سے ایمان میں کیا شعور بیدار ہوگا؟ وضو' غسل' نماز' روزہ کے مسائل یاد دلانے سے ایمان پیدا نہیں ہوتا۔

موجودہ زمانے کی اصلاح کے طریقہ کار کے مطابق انسان اعمال صالحہ اختیار تو ضرور کرتا

ہے مگر کب جب کہ انسان خواہشات سے دور ہوکر بوڑھا ہوجاتا ہے' دھندہ اور کاروبار سے الگ ہوجاتا ہے اور اس میں نفسانی کوئی طاقت ہی باقی نہیں رہتی ۔اس وقت وہ برابر نماز کی پابندی کرتے ہوئے تہجد بھی پڑھتا ہے اور قرآن کی تلاوت بھی کرتا رہتا ہے ۔مگر ایسے وقت اعمال اختیار کرنے سے فائدہ نہیں پہنچتا کیوں کہ وہ اختیار وارادے والی حالت سے دور ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کو بوڑھاپے سے زیادہ جوانی کی اطاعت وعبادت پسند ہے۔

چنانچہ موجودہ دور میں مسلمانوں کو دین سکھانے کا یہی طریقہ پوری دنیا میں اختیار کیا گیا ہے یعنی اوپر تو خوب سنوارا اور سجایا جارہا ہے مگر اندر بنیاد اور جڑ کمزور ہورہی ہے جسکی وجہ سے لوگ صرف نام کے مسلمان بنے ہوئے ہیں اور انکے کاروبار میں اور ان کے معمولات میں اور نہ ہی ان کی حکومتوں اور عدالتوں میں اسلام نظر آرہا ہے اور نہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے مسجدوں کو آباد کررہے ہیں۔ان کی زندگیوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعمال صالحہ سے بالکل خالی ہیں اور مسلمان ہوتے ہوئے غیروں کے طور طریقے اور قانون کو پسند کرتے ہیں اور بہت سے تو دین بیزار ہیں۔اسلامی تہذیب کے مقابلے میں غیروں کی تہذیب کو پسند کرتے ہیں۔اسلئے مسلمانوں کی ہر نسل میں پہلے شعوری ایمان کیلئے محنت کی جانی چاہیئے اور ان کے ہر بچے کو دین ویسے ہی سمجھایا جائے جیسا غیر مسلم کو دین سمجھایا جاتا ہے تب جاکر ایمان میں شعور بیدار ہوگا اور اعمال صالحہ پیدا ہوسکتے ہیں۔بس مسلمانوں میں اعمال صالحہ پیدا کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ پہلے ان میں ایمان کے ہر پہلو سے خوب اچھی طرح محنت کی جائے۔

اعمال صالحہ کیلئے اللہ کی محبت زیادہ سے زیادہ پیدا کرائی جائے

دوسری بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان کو جب تک کسی سے محبت پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک وہ اس کی اطاعت وفرمابرداری کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض جانور مثلاً کتے' بلی کو بھی جب تک انسانوں سے محبت نہیں ہوتی 'اس وقت تک وہ ان کی اطاعت نہیں کرتے اور جب محبت پیدا ہوجاتی ہے تو وہ انسانوں کے پیروں اور گود میں لوٹتے اور ان کے اطراف ہی پھرتے اور موٹر میں بیٹھنے تک کیلئے ضد کرتے اور اپنے مالک کے

انتظار میں دروازے کے پاس بیٹھے رہتے ہیں اور مالک کے سوجانے پر رات بھر جاگ کر اس کے گھر کی حفاظت کرتے ہیں۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ان جانوروں میں یہ محبت انسانوں سے کب اور کیسے پیدا ہوتی ہے؟ یہ جانور جب اپنی آنکھوں سے اپنے مالک کو کھانا دیتے' دودھ پلاتے اور شفقت ومحبت کے ساتھ ہاتھ پھیرتے پاتے ہیں تو وہ جانور ہوتے ہوئے بھی انسانوں کی محبت میں دیوانے ہوجاتے ہیں۔ (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں)۔اسی طرح انسانوں میں بھی جب تک اللہ سے محبت نہیں بڑھے گی اس وقت تک وہ اللہ کی اطاعت نہیں کریں گے اور یہ محبت ایمان کے ذریعہ انسانوں کو اللہ کی ربوبیت اس کے احسانات وانعامات کو اس کی رحمت اور فضل اور اس کے عدل وانصاف کو خوب اچھی طرح سمجھا کر اور احساس دلا کر پیدا کرائی جاسکتی ہے۔

انسانوں کو سمجھایا جائے کہ ان کے پیدا کرنے اور پالنے والے نے انکی پرورش کے کیسے کیسے انتظامات کئے ہیں اور ان پر ان کے مالک کی شفقت ورحمت کا کیا عالم ہے کہ ان کے گناہوں پر وہ پردہ ڈال کر توبہ کے ذریعہ بار بار گناہ معاف کرتے ہوئے انہیں زندگی کی مہلت عطا فرمارہا ہے اور وہ اللہ کے احسانات وانعامات کی بارش میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہ انسانوں کی محنت کو ضائع نہیں کرے گا۔اچھے کا اچھا اور برے کا برا بدلہ دے گا۔

جب انسانوں کو اللہ کے یہ احسانات وانعامات سمجھ میں آئیں گے تو وہ اسی کو اپنا حقیقی مالک سمجھتے ہوئے اسی سے محبت کریں گے۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کو یاد کریں گے اور اسی کی اطاعت و فرمابرداری یعنی وفاداری کیلئے تڑپیں گے اور ہر وقت اپنے مالک ہی کی بڑائی بیان کریں گے' انسانوں میں ایسے احساس کو پیدا کرنے کیلئے قرآن نے بار بار کہیں ربوبیت کو اور کہیں رحمت و احسانات کو اور کہیں اس کی حاکمیت اور مالکیت کو اور کہیں اسکی تخلیق کو اور اسکے نظام عدل کو کثرت سے بیان ہی اسلئے کیا ہے کہ انسان ان تمام چیزوں پر غور کرتے ہوئے اللہ پر ایمان لاکر اس سے محبت کرتے ہوئے اسی کی اطاعت وفرمابرداری کرے اور جب انسان میں اللہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے تو وہ خود بہ خود اللہ کی اطاعت کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ نیند کا غلبہ ہونے کے باوجود سخت سردی کا مقابلہ کرتا ہے' اپنے لحاف سے باہر آکر ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے

اور فجر کی نماز ادا کرنے کیلئے مسجد کا رخ اختیار کرتا ہے ۔ یہ کیفیت موجودہ زمانے کے ہم مسلمانوں میں بہت کم ہے کیوں کہ ہمارا ایمان بہت کمزور اور غیر شعوری درجے کا ہے

اسی طرح رمضان کے مہینے میں حالت روزہ میں مسلمانوں پر اللہ کی چند صفات کا خاص اثر رہتا ہے اور وہ اللہ کو دیکھنے والا' سننے والا' جاننے والا سمجھتے ہیں اور اسی تصور کی وجہ سے وہ حالت روزہ کے ظاہر و باطن میں ہر قسم کے گناہ سے دور بھی رہتے ہیں مگر چوں کہ ایمان ضعیف اور تقلیدی ہونے کی وجہ سے یہ کیفیت رمضان کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہیں اور رمضان کے بعد پھر اس کیفیت کا اپنے اوپر غلبہ نہیں ہونے دیتے جب کہ ایک شعوری ایمان والے پر زندگی بھر اسی کیفیت کا غلبہ زیادہ سے زیادہ برقرار رہتا ہے۔اللہ کی صفات سمیع ' بصیر' علیم و خبیر کے احساس کا انسان پر جتنا زیادہ غلبہ اور اثر رہے گا اتنا ہی وہ ایمان میں پختہ رہے گا اور گناہوں سے بچے گا اور اعمالِ صالحہ اختیار کرے گا۔

موجودہ زمانے میں ایک تو ایمان کمزور ہے۔دوسرے اللہ سے صحیح واقفیت نہیں۔اسی عدم واقفیت کی وجہ سے محبت کم ہے اور محبت کی اسی کمی کی وجہ سے ایک تقلیدی ایمان رکھنے والا اللہ کا کھاتا اور پیتا اور اسی کی زمین پر رہتا اور اسکے آسمان کے نیچے سوتا مگر جب اللہ کا منادی اذان کے ذریعہ اسکو اللہ سے ملاقات کیلئے پکارتا اور بلاتا ہے تو وہ اللہ کی طرف نہیں دوڑتا بلکہ اپنی دکان اور مکان ہی میں بیٹھے رہتا ہے اور جان بوجھ کر انجان ہوجاتا ہے۔اسکے برعکس دیکھئے کہ ایک جانور کو اپنے مجازی مالک سے کتنی محبت ہوتی ہے؟ جب اسکا مالک اسکو پکارتا ہے کہ ''ٹیگر کم آن'' تو وہ بے چین ہوکر اپنے مالک کی آواز جس رخ سے آتی ہے اسی طرف دوڑتا ہوا لوگوں کے پیروں میں سے گذرتا ہوا اپنے مالک کے پاس جا کر دم ہلا ہلا کر اپنی وفاداری کا اظہار کرتا ہے اور اپنے مالک کو پانے اور پہچاننے کے بعد اس سے علیحدہ ہونا گوارا نہیں کرتا ایک اجنبی کتے کو اگر آپ دو تین مرتبہ روٹی کا ٹکڑا ڈالئے تو وہ بس آپ کو دیکھتے ہی آپ کے سامنے آ کر دم ہلانا شروع کر دیتا ہے مگر یہ انسان برابر اللہ کی نعمتیں استعمال کرتا ہوا بھی باغی کا باغی ہی رہتا ہے۔(مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں)

کتے کو انسان بہت زیادہ ناپاک اور ذلیل سمجھتا ہے مگر کتے سے بھی زیادہ گری ہوئی حرکت وہ خود کر رہا ہے۔

ایمان ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے

بس خوب اچھی طرح یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اور اس اخلاق کا ظہور انسان کی عملی زندگی کے تمام گوشوں سے ہوتا چلا جاتا ہے۔ گویا ایمان ایک بیج ہے جو قلب انسان میں جڑ پکڑتے ہی اپنی فطرت کے مطابق عملی زندگی کے ایک پورے درخت کی تخلیق شروع کر دیتا ہے اور اس درخت کے ہر پتے سے لے کر شاخ، پھول، پھل میں اخلاقیات یعنی اعمالِ صالحہ کا رس بھر دیتا ہے۔

یہ بات قطعی ناممکن اور مشاہدے کے خلاف ہے کہ زمین میں ہم بوئیں آم کا بیج اور درخت نکلے ببول یا گوکھرو کا، یا پھر ہم بوئیں انار کا بیج اور درخت نکلے نیم کا، بس اسی طرح یہ کیسے ممکن ہے کہ دل میں بویا گیا ہو اللہ پر ایمان کا بیج اور اس سے رونما ہو جائے بغاوت و نافرمانی والا درخت۔ یعنی یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دل میں ہو ایمان اور ظاہر میں نکلے بے ایمانی، بس دل میں اگر ایمان ہوگا تو باہر اس کے اثرات اعمال صالحہ کی شکل میں نکلیں گے، اسی لئے اس سورہ عصر میں انسانوں کی کامیابی کیلئے پہلی اور دوسری شرط یہی بیان کی گئی۔ ایک تاجر اللہ پر یقین رکھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تجارت میں سچائی اور دیانت نہ ہو۔ اسی طرح ایک جج اگر اللہ کے دین کو برحق سمجھتا ہے تو وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر ایمانداری کیساتھ صحیح فیصلہ کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی قوم اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور اللہ ہی کو بڑا مانتی ہے تو اس کی معاشرتی اور سماجی زندگی، ملکی انتظام، خارجی سیاست اور اس کی صلح و جنگ سب کچھ اللہ کی مرضی اور قانون پر ہوں گے، اور وہ ہر شعبہ سے اللہ کی عظمت اور کبریائی کو ظاہر کرتے ہوئے عادلانہ اور منصفانہ نظام قائم کرے گی، اگر ایسا نہ ہوگا تو اس قوم کا ایمان باللہ کمزور سمجھا جائے گا اور وہ ایک بے جان جسم کے مانند ہوگی۔ غرض اللہ پر ایمان ہی وہ واحد جذبہ ہے جس سے افراد میں عمل صالحہ کا داعیا پیدا ہوتا ہے اور انسان صحیح معنیٰ میں انسان بن کر زندگی گذار سکتا ہے۔

صرف زبان سے اللہ کو بڑا مانا جاتا ہے

موجودہ زمانے کے مسلم ممالک کے مسلمانوں کی حالت پر غور کیجئے، ان کے سامنے کامیابی

اور نجات کے ان صفات کا تصور نہ ہونے کی وجہ سے وہ زبان سے ایمان کا دعویٰ تو ضرور کرتے اور پانچ وقت مساجد میں اذان کے ذریعہ اللہ کی بڑائی کا اعلان کرتے ہیں مگر انکی زندگی کے اعمال کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو صرف مسجد ہی کی حد تک بڑا مانتے نظر آتے ہیں۔ نہ انکی حکومت کی پارلیمنٹ میں اللہ بڑا ہے اور نہ ان کے دفتروں اور عدالتوں میں اللہ بڑا ہے اور نہ انکے کاروبار اور معمولات میں اللہ بڑا ہے اور نہ انکے گھروں میں اللہ بڑا ہے۔

غرض سوائے مسجد کے ہر جگہ انکی اپنی مرضی اور ان کا اپنا بنایا ہوا قانون چل رہا ہے اور وہ اللہ کے قانون کو کتاب میں بند کئے ہوئے ہیں۔ غرض وہ نام سے تو مسلمان ضرور ہیں مگر انکی حکومتوں اور عدالتوں' کاروبار اور گھروں میں اسلام نظر نہیں آتا۔ وہ ایمان تو ضرور رکھتے ہیں مگر غیروں کے قانون کو پسند کرتے اور اپنا اور غیر کا تصور رکھتے ہوئے فیصلے کرتے ہیں' کاروبار اور معمولات میں دیانتداری سے دور نظر آتے ہیں' گھروں میں یہود و نصاریٰ کی تہذیب پسند کرتے ہیں۔ دنیا میں بہت سارے مسلمان تو ایسے ہیں کہ صرف کلمہ پڑھنا ہی کافی سمجھتے ہیں' وہ اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت محسوس ہی نہیں کرتے' نام سے تو مسلمان بنے رہتے ہیں لیکن کام پورے غیر اسلامی کرتے ہیں' انکی شادی بیاہ' رسم و رواج اور انکی عیش پرستی میں ان کے ایمان کی پوری کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ کتنے ایمان پر ہیں اور کیسے اعمال پسند کرتے ہیں؟

اعمال صالحہ کے پیدا نہ ہونے کی دوسری بڑی وجہ

دوسری خرابی جو سب سے بڑی ہے وہ یہ کہ موجودہ زمانے میں اصلاح و ارشاد کے کام کرنے والوں کے مقدس طبقہ میں خود غرض' تنگ نظر' حب مال اور حب جاہ کے اسیر و شکار افراد گھس آئے ہیں۔ چونکہ رہنماؤں اور مصلحین کے طبقہ پر امت اعتماد کرتی ہے اس لئے یہ دنیا دار اشخاص ان کا لبادہ اوڑھ کر اپنی دنیا بنانے کیلئے عوام کو دھوکے دے رہے ہیں۔ یہ لوگ محض نام و نمود' جھوٹی عزت' تسکین نفس اور چند روزہ چودھراہٹ کیلئے محنت کر رہے ہیں' انکو حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں ہوتی' تقویٰ اور پرہیز گاری کی رمق سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ اسی لئے مال و دولت والے دنیا دار انسانوں کے اطراف چکر لگاتے ہیں اور انکے عالی شان مکانوں میں

قیام کرنا پسند کرتے ہیں۔ ان کو وعظ و نصیحت کیلئے جب بلایا جاتا ہے تو پہلے مختلف قسم کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ اپنی مصروفیت کا اظہار کرتے ہیں تاکہ اپنا بھاؤ بڑھا سکیں اور داعی ان کی زیادہ سے زیادہ خوشامد کر سکے' پروگرام میں شرکت سے قبل ہی آنے جانے اور ٹھہرنے کے انتظامات اور سہولتوں پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ان کو آرام دہ سے آرام دہ سواری مل جائے اور ٹھہرنے کیلئے کسی طرح کی سردی' گرمی یا کوئی اور تکلیف نہ ہونے پائے' ایسے لوگوں کے مزاج میں نام کی بھی سادگی نہیں ہوتی جہاں کوٹھی' بنگلہ' ایرکنڈیشن روم' کار' ٹیلیفون وغیرہ کی سہولت ہو وہیں ٹھہرنے کو ترجیح دیتے ہیں' ان میں سے اکثر تو مسجد میں جانا بھی گوارا نہیں کرتے بلکہ جہاں ٹھہرتے ہیں وہیں نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ امیروں کی ان کے پاس بہت عزت ہوتی' کوٹھی اور بنگلے خواہ رشوت وسود اور حرام مال کے روپیوں سے بنے ہوں' ہمارے یہ مصلحین ان ہی میں قیام کرنا پسند کرتے ہیں۔ حالانکہ قیام سے پہلے حلال کمائی کی تحقیق کر لینی چاہئے تاکہ حرام کا کوئی دانہ ان کے تقویٰ اور عنداللہ مقبولیت کو داغدار نہ کر دے۔

وعظ بھی ایسے لوگ وہیں کرنا پسند کرتے ہیں جہاں انکو زیادہ سے زیادہ روپے ہاتھ آسکیں اور خوب تعریف کی جاسکے۔ بہت سے مصلحین اور واعظین ایسے بھی ہیں کہ انکا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ یہ لوگ طرح طرح کی تاویلوں اور حیلوں بہانوں کے ذریعہ اپنی بے عملی پر پردہ ڈال لیتے ہیں اسی وجہ سے انکی زبان میں اثر کم ہوتا ہے۔ وعظ و نصیحت کرتے وقت لوگوں کو جھوٹ' غیبت' حسد' وعدہ خلافی اور تنگ نظری سے بچنے اور اتحاد کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتے ہیں مگر خود کسی سے اتحاد و اتفاق نہیں کرتے۔ جھوٹ' غیبت' حسد' بغض' وعدہ خلافی سے نہیں بچتے۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر جگہ صرف ان ہی کا قبضہ رہے۔ شہر و علاقہ میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک اور پوری امت کے پروگرام ان ہی کے مشورے سے طئے ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ جو کام ہو رہا ہے وہ بند ہو جائے۔ اللہ والوں کے مواعظ میں ہے کہ اخلاص کی پہچان ہے کہ اگر اپنے سے زیادہ اہل آجائے تو اس کو موقعہ دیا جائے۔ لیکن عام طور پر دوسرے کو موقعہ دینے کے بجائے سارے مواقع کو اپنے نام ''ریزرو'' کرنے کی ہوس دامن گیر ہوتی ہے ایسے لوگ اپنے خاص خاص

لوگوں میں کثرت سے دوسروں کی برائی کرتے ہیں۔خود حسد' تنگ نظری' اور خود غرضی میں مبتلا رہتے ہیں۔اپنے مقابلے میں کسی دوسرے کی شہرت اور مقبولیت کو برداشت نہیں کرتے۔

ایسے مصلح اور واعظ کم نظر آتے ہیں جو بلا معاوضہ وعظ ونصیحت کی زحمت گوارا کرتے ہوں اور دعوت وتبلیغ کا کام محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کرتے ہوں اور اس راہ میں اپنا وقت' پیسہ اور صلاحیت لگانے والے تو شائد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

فکر کی بات ہے کہ ہمارے مصلحین کے مقدس طبقہ میں ایسے لوگ کس طرح گھس گئے ؟ ہمارے معاشرہ میں یہ خرابی کیوں رونما ہوگئی ہے؟ اس کے تدارک کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے' ہم سب کو سوچنا چاہیئے ۔کیوں کہ اگر اصلاح کرنے والوں کی یہ حالت رہی تو لوگوں کی کیا اصلاح ہوگی؟ اور ان میں اعمال صالحہ کس طرح پیدا ہوں گے ۔دور کتابوں اور خطابوں کا ہے' محنتیں بھی خوب ہورہی ہیں لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ لوگ خود حقیقی اور شعوری ایمان سے خالی ہیں۔خود مصلحین کے اعمال پاک نظر نہیں آتے' اخلاص وللّٰہیت کی بہت بڑی کمی محسوس ہوتی ہے بلکہ دنیا بٹورنے کے جذبہ سے مغلوب نظر آتے ہیں شائد اسی لئے دین کے نام پر اس زمانہ میں بہت سی محنتوں کے باوجود خاطر خواہ فائدہ ہاتھ نہیں آرہا ہے۔

اعمال صالحہ کے پیدا نہ ہونے کی تیسری بڑی وجہ

تیسری خرابی یہ ہے کہ عوام کی بڑی تعداد زیادہ سے زیادہ حرام کمائی کمانے اور حرام غذا کے استعمال کرنے کی عادی بن گئی ہے۔کہیں پر گھوڑے جوڑے کے نام سے کثیر رقمیں لے کر اور کہیں شادی بیاہ کے نام پر بڑی رقمیں بنک ڈپازک کے ذریعہ سود حاصل کرتے ہوئے اور کہیں رشوت اور حرام کاروبار کے ذریعہ شادی ولیمہ چوتھی یا دوسرے رسم ورواج میں کثرت سے فضول خرچی کرتے ہوئے ہزاروں انسانوں کو حرام غذا کھلائی جارہی ہے اور لوگ حلال وحرام کا خیال کئے بغیر صرف اپنی زبان کے مزے اور پیٹ کی خواہش کی تکمیل میں ایسی دعوتوں پر گر پڑ کر شرکت کرتے ہوئے اپنے اندرون کو تباہ و برباد کررہے ہیں۔غور کیجئے جب جسموں میں حرام غذائیں جانا شروع ہوجائیں تو ان پر وعظ ونصیحت کا کیا اثر ہوگا؟ ظاہر ہے کہ کوئی اثر نہیں ہوگا

بلکہ ان جسموں سے نکلنے والے اعمال ''خیر'' کے بجائے ''شر'' ہوں گے۔ ایسے لوگوں پر وعظ و نصیحت کا تو کوئی اثر نہیں ہوتا' یہ لوگ وعظ و نصیحت کے ذریعہ کچھ دیر صرف اپنے کانوں کو مزہ دیتے رہتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو پوری طرح عیاں ہوگا کہ ایمان کے دعوے کے باوجود شاذ و نادر افراد کو چھوڑ کر ہمارا ہر طبقہ اسلام پر پوری طرح عمل پیرا نہیں۔ عوام تو دین سے دور ہی ہیں اہل علم اور خواص بھی بے عمل ہی نظر آتے ہیں۔ دینی تعلیم کیلئے جن مولوی حضرات کو گھروں پر رکھا جاتا ہے وہ یا تو غیر حاضر زیادہ ہوتے ہیں یا پھر پورا وقت نہیں دیتے یا اخبار پڑھتے ہوئے تعلیم دیتے ہیں اور مہینہ ختم ہونے پر پوری پوری تنخواہ مانگتے ہوئے اپنی کمائی کو حرام بناتے ہیں۔ تاجر جھوٹ بول کر یا پھر قرض حسنہ کے نام پر دوسروں کا دیوالیہ نکال کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ امانت اور قرض حسنہ کو واپس کرنے والے بہت کم نظر آتے ہیں۔ ہر جگہ جھوٹ' چوری' رشوت' ملاوٹ اور دھوکہ بازی کا بازار گرم ہی گرم ہے۔ ان سطور کا مقصد کسی کی نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ صرف اتنا ہے کہ ہمارا ہر فرد اور ہر طبقہ اپنی خامیوں پر نگاہ کرے اور اپنی حالت کی اصلاح کر کے صحیح معنی میں سچا پکا عملی مسلمان بنے۔

بغیر ایمان کے کوئی اچھا کام عملِ صالح نہیں بن سکتا

قرآن پاک کی رو سے کوئی اچھا عمل اس وقت تک صالح عمل نہیں بن سکتا جب تک اس کی جڑ میں ایمان موجود نہ ہو اور وہ اس ہدایت کی پیروی میں نہ کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اسی لئے ہر جگہ عمل صالح سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں بھی اس کا ذکر ایمان کے بعد ہی آیا ہے اور بغیر ایمان کے نیک عمل پر کوئی اجر و ثواب بھی نہیں ہے۔

دوسری حقیقت یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ایمان اصلاً وہی معتبر اور مفید ہے جس کے قبول کرنے کا ثبوت انسان اپنے عمل سے پیش کرے ورنہ ایمان بغیر عمل کے محض ایک دعویٰ ہوگا' جب انسان اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں کے خلاف چلتا ہے تو گویا وہ اپنے اس دعویٰ کی خود ہی اپنے عمل سے تردید اور مخالفت کر دیتا ہے۔

مثلاً ایک شخص اللہ کو تو زبان سے مانتا ہے مگر عملی زندگی میں اس کی اطاعت نہیں کرتا' اس

طرح ایک شخص قیامت کے دن کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کا دن تو زبان سے مانتا ہے مگر دودھ میں پانی ملا کر یا چوری کرتے ہوئے رشوت و سود کھاتے ہوئے اپنے کاروبار چلاتا ہے' ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو ایمان کی حقیقی دولت نصیب نہیں ہوتی۔

ایمان و عملِ صالح کا تعلق بیج اور درخت کی طرح ہے جب تک بیج زمین میں نہ ہو کوئی درخت پیدا نہیں ہوسکتا لیکن اگر بیج زمین میں ہو اور کوئی درخت پیدا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بیج زمین میں دفن ہو کر جل گیا۔ بالکل اسی طرح کسی انسان میں عمل ہی پیدا نہیں ہو رہا ہے یا ایمان کے تقاضوں کے مطابق پورا عمل نہیں ہو رہا ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ یا تو ایمان اندر ہے ہی نہیں یا پھر ایمان نے دل میں جڑ نہیں پکڑی ہے۔

اسی بنا پر قرآن پاک میں جتنی بشارتیں بھی دی گئی ہیں وہ تمام کی تمام ان ہی لوگوں کو دی گئیں جو حقیقی ایمان لا کر عمل صالح کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات اس سورۃ میں بھی بیان کی گئی ہے کہ انسان کو خسارے اور گھاٹے سے بچانے کیلئے جو دوسری صفت ضروری ہے وہ ایمان کے بعد عمل صالح ہے۔

با الفاظ دیگر عمل صالح کے بغیر محض ایمان آدمی کو خسارے اور نقصان سے بچا نہیں سکتا اور ایمان رکھتے ہوئے بھی انسان کو اپنے گناہ سے پاک ہونے کیلئے جہنم میں جلنا ہوگا اور سزا بھگتنی پڑے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کی ساری قدر و قیمت' ایمان اور عملِ صالح کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا (اے ایمان والو! ایمان لاؤ) کے یہی معنی ہیں کہ اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو عمل سے اس کا ثبوت پیش کرو۔ یہاں زیر بحث حقیقی ایمان ہے ' فقہی قانونی' نسلی' خاندانی اور روایتی ایمان پر بحث نہیں ہو رہی ہے۔

ایمان جب تک صرف قول تک محدود رہتا ہے' عمل اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے اور جب یہی ایمان تصدیق بالقلب کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے یعنی یقین بن کر دل میں اتر جاتا ہے تو پھر عمل صالح کی شکل میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پہلے مثال دی گئی کہ ہم کو یہ اطلاع دی جائے کہ فلاں کمرے کے سوراخ میں سانپ ہے تو ہم اس اطلاع پر یقین کرتے ہوئے سوراخ کے قریب جانا تو دور کمرے میں بھی جانے کو تیار نہیں ہوتے کیونکہ سوراخ میں

سانپ کے ہونے کا یقین دل میں اتر گیا ہے۔اسی طرح برف ہو اور اس میں ٹھنڈک اور سردی نہ ہو تو وہ برف برف نہیں بلکہ صرف ایک فوٹو اور شکل ہے اور آگ ہو اور اس میں گرمی اور جلانے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ آگ آگ نہیں بلکہ ایک شکل اور فوٹو ہے۔اسی طرح ایمان کا دعویٰ ہو اور اس میں عملِ صالح نہ ہو تو وہ ایمان حقیقی ایمان نہیں صرف فوٹو ہے۔

حاصل بحث: اسی طرح جب ایمان دل کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتا ہے تو ایمان کی شکل میں اس کے برگ و بار لازماً ظاہر ہوا کرتے ہیں۔اگر ہمارے پاس اعمال صالح نہیں ہیں اور رسول پاکؐ کی سنتوں کے مطابق ہماری زندگی نہیں ہے تو ہمیں بلا تاخیر اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا ایمان کس درجہ کا ہے؟ کیا ایک مومن کا ایسا ہی ایمان ہونا چاہیئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے منافق بھی ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔

سائنس اچھے سامان تو بنا سکتی ہے اچھے انسان نہیں

آج سائنس کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ انسان چڑیا کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ کر ہوا میں اڑنا تو سیکھ گیا اور مچھلی کو پانی میں تیرتا ہوا دیکھ کر پانی میں تیرنا سیکھ گیا مگر انسان ہوتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی زندگی اور ان کی تعلیمات کو پڑھ کر عبد اور بندہ نہیں بننا چاہتا۔

سائنس نے آنکھوں کو چکا چوند کر رکھا ہے۔ہر طرف برقی سے شہر اور گاؤں روشن' فضائیں ہوائی جہازوں سے بھری ہوئی ہیں' زمین ریل اور موٹر گاڑیوں جیسی تیز رفتار سواریوں سے تنگ ہو چکی ہے۔دریا اور سمندر بڑے بڑے بحری جہازوں سے آباد' گویا بحر و بر میں ترقی ہی ترقی مگر یاد رکھئے کہ سائنس اچھے سے اچھا' عمدہ سے عمدہ سامان راحت ضرور بنا سکتی ہے مگر اچھے انسان نہیں بنا سکتی اور نہ انسانوں میں اچھے اعمال پیدا کر سکتی ہے۔

اچھے انسان تو صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے ہی پیدا ہوتے ہیں کیوں کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں سامان بنانے نہیں بلکہ انسان کو انسان بنانے تشریف لائے تھے۔

بیشک انسان دنیا کی تعلیم زیادہ سے زیادہ حاصل کرے مگر اس تعلیم کے ذریعہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اور اس کی مرضی پر زندگی گزارے اور اپنے آپ کو صحیح معنی میں عبد اور

بندہ بنائے۔اکبرالہ آبادیؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو : جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پر جھولو
پر ایک سخن بندہ ٔ عاجز کی رہے یاد : اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

جب انسان درست ہوجائے گا اور صحیح معنی میں انسان بن جائے گا تو اس کی ساری سائنس اور اس کے فلسفہ کی تمام چیزیں بھی اچھی بن جائیں گی ۔یعنی انسان اگر ایمان لاکر صحیح معنی میں مسلمان بن جائے گا تو اس کی ساری ایجاد کی ہوئی چیزیں بھی مسلمان بن جائیں گی اور ان سے خیر ہی خیر پھیلے گا اور جب انسان ایمان اور عمل صالح سے دور رہے گا تو اس کی ایجاد کی ہوئی ان ساری چیزوں سے شر ہی شر پھیلے گا اور دنیا فساد و گمراہی کے دہانے پر چلی جائے گی جس کی عام مثال ٹی وی، ریڈیو، ویڈیو، فوٹو گرافی، جنگی سامان وغیرہ وغیرہ ہیں۔

موجودہ سائنس سے ترقی یافتہ ممالک کا یہ عالم ہے کہ ان کے پاس ہر چیز کو درست کرنے کیلئے ٹکنالوجی تو ضرور ہے مگر انسان کو درست کرنے کیلئے کوئی ٹکنالوجی ان کے پاس نہیں ۔ وہ اپنی تمام ایجاد کردہ چیزوں سے زمین میں فساد ہی فساد پھیلا کر چاند پر سکون حاصل کرنے کیلئے جارہے ہیں حالانکہ ان کو زمین کا انتظام ہی صحیح کرنا نہیں آتا۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا : اپنے افکار کی دنیا کا سفر کر نہ سکا

موجودہ دور کی صرف دنیوی تعلیم سے کوئی اخلاق پیدا نہیں ہوسکتے

موجودہ دور میں عصری تعلیم کے عنوان سے جو دنیوی تعلیم بچوں کو دلائی جارہی ہے غور کیجئے کہ کیا بچے اس تعلیم کے ذریعہ اخلاق اور اعمال صالحہ سیکھ سکتے ہیں؟ نہیں، کیوں کہ اگر وہ دنیوی تعلیم میں علم جغرافیہ پڑھتے ہیں تو انکو مختلف ممالک کے جغرافیائی حالات گرمی، سردی اور برسات کے موسموں وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور اگر علم تاریخ پڑھتے ہیں تو راجہ مہاراجاؤں کے قصے اور انکی رعایا کے حالات سے جانکاری ہوتی ہے اور علم سائنس پڑھتے ہیں تو مختلف گیس، آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن وغیرہ وغیرہ یا پھر علم نباتات، حیوانات اور معدنیات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔علم حساب کے ذریعہ زندگی کے کاربار میں

حساب و کتاب اور خاص طور پر موجودہ دور میں سودی لین دین کا طریقہ خوب اچھی طرح سیکھتے ہیں۔ اردو، تلگو اور انگریزی کے ذریعہ اپنی مادری زبان یا پھر دوسری قوموں کی زبان کا لکھنا پڑھنا اور خاص طور پر فیشن کے ساتھ غیروں کی نقالی کرتے ہوئے بات کرنا سیکھتے ہیں۔

غور کیجئے کہ ان تمام مضامین میں کہاں ایمان، اخلاقیات اور اعمال صالحہ کی تعلیم موجود ہے اور صرف یہی تعلیم حاصل کرنے سے ہماری نسلوں میں اخلاق حسنہ کیسے پیدا ہوں گے۔ غرض موجودہ دور کی دنیوی تعلیم میں نہ کوئی ایمانی و اخلاقی اسباق ہیں اور نہ اعمال صالحہ سکھانے کا انتظام۔ الٹا بعض مضامین تو ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے بچوں کے عقائد اور اخلاق بگڑنے کا خطرہ رہتا ہے مگر اس کے باوجود ہر سرپرست مطمئن اور بے فکر ہے کہ ان کی نسل ماڈرن ایجوکیشن کے نام پر عصری تعلیم حاصل کر رہی ہے اور یہ تعلیم پوری حاصل کر لینے کے بعد ان میں خود بہ خود اخلاق پیدا ہو جائیں گے حالانکہ بیشتر یہ دیکھا گیا کہ صرف اسی تعلیم کے حاصل کرنے کے بعد پردے میں رہنے والے بے پردہ ہو گئے۔ شرم و حیا کا لباس پہننے والے بے حیاء ہو گئے۔ دنیا کو اچھا اور دین کو دقیانوس سمجھنے بھی لگ گئے۔ چنانچہ موجودہ دور میں اعمال صالحہ کے پیدا نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہر نسل کو صرف اور صرف دنیوی تعلیم سے ہی آراستہ کیا جا رہا ہے اور وہ بھی ایسے لوگوں کے پاس یہ دنیوی تعلیم دلائی جا رہی ہے جو ایمان اور اسلام کے دشمن اور ڈاکو ہیں اور صرف اسلامی تہذیب اور کلچر کو مٹانے کی غرض سے ہی اپنے اسکول کھولے ہوئے ہیں اور غافل اور بے وقوف سرپرست بس خوش ہیں کہ اس تعلیم ہی سے ان کے بچے صحیح انسان بنیں گے اور ان میں اخلاق و اعمال پیدا ہوں گے۔

خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ اس تعلیم کے ساتھ ساتھ جب تک قرآن و حدیث کی تعلیم نہ دلائی جائے گی اس وقت تک بچوں میں اسلامی تہذیب و اخلاق پیدا نہیں ہوں گے اور نہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اعمال صالحہ کے ساتھ زندگی گذاریں گے۔

غرض بغیر قرآن و حدیث کی تعلیم کے کسی میں اخلاق و اعمال صالحہ پیدا نہیں ہو سکتے چاہے وہ وقت کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر یا انجینئر یا فلاسفر ہی کیوں نہ ہو۔ خوب پڑھ لکھ کر سوٹ بوٹ پہن کر جھک جھک کر ہاتھ ملاتے ہوئے سلام کرنے سے آدمی با اخلاق نہیں ہو جاتا بلکہ اخلاق تو

یہ ہیں کہ انسان زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ اور رسولؐ کے طریقے پر زندگی گذارے۔ غرض ہمارے معاشرے میں اخلاق و اعمالِ صالحہ کے پیدا نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہیکہ تعلیم حاصل کرنے کا یکطرفہ نظام چل رہا ہے اور نسلوں کی نسلیں اس سیلاب میں بہہ رہی ہیں۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حسن اخلاق کو پورا کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں اور ایمان کامل کے مالک وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (ابوداود)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے مجھے وہ شخص بہت عزیز ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں (بخاری)

کمال، مال و دولت اور بنگلہ و کوٹھی میں نہیں اخلاق میں ہے

ارسطو جڑی بوٹی کی تلاش میں جنگل گیا، تھک تھکا کر ایک درخت کے سایہ میں سو گیا۔ اسی دوران بادشاہ بھی شکار کیلئے نکلا۔ راستے میں ارسطو کو سوتا ہوا دیکھ کر لات مارتے ہوئے ارسطو کو بیدار کیا اور پوچھا جانتے ہوں میں کون ہوں۔ ارسطو نے کہا ہاں جانتا ہوں ایک درندہ ہے اس لئے لات مار رہا ہے۔ کہا ارے میں یہاں کا بادشاہ ہوں، میرے پاس فوج، ہتھیار، ہاتھی اور گھوڑے ہیں۔ ہیرے جواہرات کے خزانے ہیں، محلات، نوکر چاکر خدمت گذار ہیں۔ ارسطو نے کہا یہ سب تو باہر کی چیزیں ہیں تیرے اندر کچھ ہو تو بتا؟ یہ ساری چیزیں کوئی بھی تجھ سے زیادہ طاقتور انسان ایک منٹ میں کھینچ لے سکتا ہے۔ تیری اپنی ذاتی صلاحیت اور کمالات کیا ہیں وہ بتا۔ بادشاہ یہ سن کر لاجواب ہو گیا۔

ایمان کے حاصل کرنے اور بڑھانے کا ذریعہ

ایمان یوں تو بہت سی اَن دیکھی حقیقتوں کو محض نبیوں اور رسولوں کی شہادت کی بنیاد پر ماننے کا نام ہے لیکن اس کی جڑ بنیاد اور اصل جوہر اور خلاصہ ایمان باللہ ہے یعنی اللہ کی ذات، اس کی توحید اور اس کی صفات عالی کی معرفت حاصل کر کے اللہ کی عظمت اور کبریائی کا نقش اپنے دل پر بٹھالے اور اس کا دل حمد و ثنا کے جذبات سے معمور ہو جائے۔

انسان کیلئے اللہ کو پہچاننے کی راہ کیا ہے؟ قرآن پاک کہتا ہے صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ

کہ کائنات کی خلقت میں غور وفکر (تفکر اور تدبر) سے کام لینا۔ ایک سچائی پسند انسان جب معرفت الٰہی یعنی اللہ کو پہچاننے کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو اس کائنات میں غور وفکر کرنے کے بعد وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ اللہ نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا۔ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً

بس ایمان کے حصول کا آسان ترین ذریعہ یہ ہے کہ انسان اس کائنات میں اللہ کی تخلیق اور اس کی ربوبیت اور اس کی رحمت اور اس کی بادشاہت اور مالکیت اور اس کے نظام عدل پر غور کرے اور اس کی خلاقی (خالقیت) صناعی (کاریگری) اور مصوّری کو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں اکیلا ہے کسی مخلوق میں اس کی کوئی صفت نہیں ہے۔ کوئی انسان اگر خدا کی ذات کو دیکھنا چاہے تو وہ اسے اس دنیا میں تو نہیں دیکھ سکتا البتہ کائنات میں پھیلی ہوئی اس کی صفات سے اسے سمجھ سکتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعہ اپنی عظمت اور کبریائی کو سمجھانے کیلئے آفاق و انفس یعنی ہمارے اپنے اندر کی دنیا اور باہر کی ساری کائنات کے مطالعہ پر زور دیا ہے۔ اس میں غور وفکر کے مطالعے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں صرف آفاق کے مشاہدے کے ضمن میں کم وبیش سات سو آیات نازل ہوئی ہیں اور بے شمار خلقی حقائق سے استشہاد کیا گیا ہے۔

مگر افسوس کہ بعد کے زمانے میں اس طرح مسلمانوں نے آفاق وانفس کی جانب سے نگاہیں بند کرلیں جس طرح شرعی احکام واعمال کی تعمیل سے انہوں نے اپنا رشتہ کمزور کرلیا نتیجۃً ایمان ایک تقلیدی نظریہ اور ماوراء عقل عقیدے کی صورت اختیار کرگیا جس میں نہ سلف کے سے ایمان کی پختگی ہے اور نہ کائنات کے مشاہدے سے یقین کی طمانیت۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو آفاق وانفس میں غور وفکر کا عادی بنایا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نقش ان کے دلوں پر پھر سے قائم ہوجائے اور اسے آخرت کا یقین اور خدا کی ذات وصفات پر اطمینان کامل نصیب ہوجائے۔

تمام مخلوقات میں انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جس میں غور وفکر کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ یعنی دوسری کوئی مخلوق تفکر وتدبر نہیں کرسکتی۔ یہ شرف صرف انسان ہی کو حاصل ہے۔ اب اگر

انسان یہ صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہوئے بھی کائنات کو جانوروں کی طرح دیکھتا رہے اور اس میں تفکر و تدبیر نہ کر سکے تو وہ اپنے ایمان کو مضبوط نہیں بنا رہا ہے بلکہ اپنے آپ کو نقصان اور گھاٹے میں ڈال رہا ہے۔

ایمان اور اسلام کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک آپؐ کے سامنے ایک (اجنبی) مرد آیا اور اس نے حضورؐ سے پوچھا: ایمان کیا چیز ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے پیغمبروں پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اللہ سے ملنے پر (یعنی آخرت پر) ایمان لاؤ اور قیامت کا یقین کرو۔ پھر اس شخص نے دریافت کیا: اسلام کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو، نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور طاقت ہو تو حج کرو۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت (اطاعت) اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (بخاری)

مسجد کا آباد کرنے والا صاحبِ ایمان ہے: ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی شخص کو مسجد میں جانے کا عادی دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے۔ (ترمذی)

ایماندار اور بدکار کا فرق: ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایماندار بندہ اپنے گناہوں کو اس طرح محسوس کرتا ہے گویا وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے جو اس پر گرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور بدکار شخص اپنے گناہ کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے ایک مکھی اس کی ناک پر بیٹھی اور ہاتھ ہلانے سے اڑ گئی۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) کلمۂ شہادت (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (بخاری و مسلم)

انسان کے تین دوست ہیں: ترمذی شریف کی حدیث کا مفہوم ہے: ''ایک تو مال و دولت، دوسرا رشتہ دار و احباب، تیسرا اعمال۔ انسان جب آخرت کا سفر کرتا ہے تو مال و دولت گھر پر ہی رہ جاتے ہیں،

ساتھ نہیں جاتے' رشتہ دار واحباب قبر تک جاتے ہیں۔قبر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونے کا دروازہ ہے' رشتہ دار واحباب اسکو دروازہ میں داخل کر کے مضبوطی سے بند کرتے ہیں اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوجاتے ہیں کہ اب تو جان اور تیرا عمل جانے' ہم لوگ تو اپنے اپنے گھر چلے ۔ تیسرا دوست انسان کا عمل ہے ۔ یہ قبر میں بھی ساتھ جاتا ہے ۔حشر میں بھی ساتھ رہے گا۔ یہ اگر اچھا ہے تو انسان کو ہر مرحلہ پر راحت نصیب ہوگی اور اگر یہ برا ہے تو انسان کو دکھ اور تکلیف میں ہمیشہ مبتلا رہنا ہوگا۔''

ایمان کی ستر سے زائد شاخیں : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں' ان میں سب سے بہتر اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے کم درجہ کا ایمان کسی تکلیف واذیب دینے والی چیز کا راستہ سے دور کرنا ہے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ پاکی بھی آدھا ایمان ہے (صحیح بخاری ومسلم)

حیا اور کم بات کرنا ایمان کی دو شاخیں: حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا اور کم بات کرنا ایمان کی دو شاخیں ہیں اور بدزبانی و چرب زبانی نفاق کی دو شاخیں ہے۔(ترمذی)

بد اخلاق اور کنجوس ایماندار نہیں ہوسکتے :ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ دو خصلتیں کسی ایماندار آدمی میں جمع نہیں ہوسکتیں ۔ایک بخل اور دوسری بدخلقی' یعنی جس شخص میں یہ دونوں بری عادتیں ہیں وہ ایماندار نہیں ہوسکتا۔(ترمذی)

محبت ایمان کی نشانی ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باہمی محبت' مہربانی اور شفقت میں ایمان والوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جب کہ اس کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے کا سارا جسم اس کے ساتھ بے خوابی اور حرارت کی تکلیف اٹھانے میں شریک ہوجاتا ہے۔(بخاری ومسلم)

پڑوسی کے بھوکا رہنے سے ایمان کو خطرہ : حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ وہ شخص کامل مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے بازو میں بھوکا ہو۔(مشکوۃ)

پڑوسی کو تکلیف دینے والا مومن نہیں: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جس کے ہمسائے اس کی برائیوں سے مامون ومحفوظ نہ ہوں۔(بخاری)

سادگی ایمان کی علامت ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کیا تم سنتے نہیں کیا تم سنتے نہیں' سادگی (ہی) ایمان ہے (ابوداؤد)

حسد ایمان کو ضائع کر دیتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی انسان کے دل میں حسد اور ایمان دونوں اکھٹے نہیں ہو سکتے۔ (مسلم' ابوداؤد)

سچا مومن کون ہے؟: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (اگر تم اسلام اور ایمان کا احترام کرتے ہو تو) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' ناحق کسی کو جان سے نہ مارو' بے گناہ پر بہتان نہ باندھو' سود نہ کھاؤ' پاک دامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ' میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔ (ترمذی)

ایمان کی سلامتی کی پہچان: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! ایمان کے درست ہونے کی پہچان کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت خوش کرے تیری نیکی تجھے اور ناخوش کرے تیری برائی تجھے تو پس تو مومن ہے۔ (مسند امام احمد)

یعنی نیک کاموں پر خوشی ہو اور گناہ و نافرمانی پر افسوس۔ غم اور ندامت' شرمندگی اور گھبراہٹ ہو تو ایمان کے موجود رہنے کی علامت ہوگی۔

ایمان سے منحرف کر دینے والی باتیں: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی اور وہ چار باتیں یہ ہیں۔ (۱) امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) عہد کرے تو اس کو توڑ دے۔ (۴) کسی سے لڑے تو گالیاں بکے (بخاری و مسلم)

گناہ ایمان کیلئے خطرناک چیز ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زانی' زنا کے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور چور چوری کرتے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور شرابی شراب پیتے وقت پورا مومن نہیں رہتا' لٹیرا غارت گری کے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور تم میں سے جو شخص خیانت کرتا ہے وہ خیانت کے وقت پورا مومن نہیں رہتا' پس تم لوگ ان باتوں سے بچو (بخاری)

زنا کار کا ایمان نکل جاتا ہے :ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب زنا کرتا ہے (خدا کا کوئی) بندہ تو ایمان سے نکل جاتا ہے' پس وہ اس کے سر پر سائبان کی طرح رہتا ہے اور جب وہ اس کام سے فارغ ہو جاتا ہے ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔(ترمذی)

کونسا آدمی بہتر ہے : حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضورؐ! کون سا آدمی بہتر ہے؟ حضورؐ نے فرمایا وہ شخص جسکی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں' پھر پوچھا یا رسول اللہ! برا آدمی کون شخص ہے؟ حضور نے فرمایا جسکی عمر زیادہ ہو اور عمل بُرے ہوں (ترمذی)

کھانا کھلانا اور سلام کرنا عین اسلام ہے : عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور جس کو جانتے ہو اور نہ جانتے ہو (سب کو) سلام کرو (بخاری)

کلمہ طیبہ باعثِ مغفرت ہے :حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(ابوداؤد)

رسولؐ سے محبت کئے بغیر ایماندار نہیں بن سکتے :حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس (پاک ذات) کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل وعیال (جان اور مال) سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔(بخاری)

رسولؐ کی اطاعت کرنے والوں کیلئے جنت: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انکار کرنے والوں کے علاوہ میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی' صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ انکار کرنے والے کون لوگ ہیں؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا (بخاری)

آخرت میں کامیاب اور ناکام انسان کی کیفیت

کامیاب انسان جب قبر سے اٹھے گا

کامیاب انسان قیامت کے روز جب قبر سے اٹھے گا تو اپنے سامنے ایک شخص کو دیکھے گا

جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا ہوگا' پیشانی اونچی ہوگی' وہ پاک نفس ہوگا' سفید لباس زیب تن کر رکھا ہوگا' سر پر تاج ہوگا' وہ خود اس کامیاب انسان کے قریب آ کر سلام کرے گا' یہ شخص جواب دے گا اور پوچھے گا' اے اللہ کے بندے تو کون ہے؟ کیا تو فرشتہ ہے؟ وہ جواب دے گا میں نہ فرشتہ ہوں نہ بندہ' تب وہ سوال کرے گا کیا تو نبی ہے؟ وہ کہے گا میں نبی بھی نہیں' وہ پوچھے گا کیا تو خدا کے مقبول بندوں میں سے ہے؟ وہ کہے گا نہیں۔ تب پوچھے گا کہ آخر تو ہے کون؟ وہ جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں' اور تجھے میں جنت میں لے جانے کیلئے آیا ہوں اور اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ تجھے دوزخ کے عذاب سے نجات پانے کی خوشخبری دوں' یہ شخص پوچھے گا جس بات کی تو خوشخبری دیتا ہے کیا تجھے اس کا علم ہے؟ وہ کہے گا ہاں مجھے علم ہے۔ پھر اس کے نیک اعمال (جو آدمی کی شکل میں ہوں گے) اس سے کہیں گے تو مجھ پر سوار ہو جا' وہ جواب دے گا تیرے جیسے بزرگ شخص پر سوار ہونا مجھے زیب نہیں دیتا۔ وہ جواب دے گا میں بہت زمانے تک دنیا میں تجھ پر سوار رہا ہوں اور اب اللہ کی مرضی سے کہتا ہوں کہ تو مجھ پر سوار ہو جا۔ تب وہ کامیاب انسان اس پر سوار ہو جائے گا۔ نیک عمل کہے گا تو فکر نہ کر میں تجھے جنت میں لے جاتا ہوں' یہ سن کر وہ بندہ بہت خوش ہوگا' خوشی سے اس کا چہرہ چمکنے لگے گا' دل میں بھی خوشی بھر جائے گی اور یہ خوشی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اسے نصیب ہوگی۔ **ولقٰھم نضرۃ وَسرُوراً** اللہ تعالیٰ ان کو تازگی اور خوشی عطا کرے گا۔

ناکام انسان جب قبر سے اٹھیں گے

ناکام انسان جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو ایک ایسا شخص سامنے نظر آئے گا جو نہایت بد صورت ہوگا' اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی' چہرہ نہایت سیاہ ہوگا' ایسا سیاہ کہ تاریک رات میں قبر کی تاریکی سے بھی زیادہ سیاہ ہوگا' اس کا لباس بھی سیاہ ہوگا' وہ زمین پر گرز مارتا ہوگا' بجلی کی طرح کڑکے گا' اس سے گندے مردار کی طرح بدبو آئے گی۔ ناکام انسان اس سے پوچھے گا تو کون ہے؟ اور نفرت سے اپنا منہ پھیرے گا' وہ کہے گا: اے خدا کے دشمن کہاں جا رہا ہے؟ میری طرف آ' تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں' ناکام انسان کہے گا خدا تجھے ہلاک کرے تو شیطان ہے' وہ

کہے گا ''میں شیطان نہیں بلکہ تیرا بُرا عمل ہوں۔ وہ کہے گا تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ وہ جواب دیگا میں تیرے اوپر سوار ہونا چاہتا ہوں۔ وہ کہے گا مجھے چھوڑ دے' کیا تو مجھے لوگوں کے سامنے ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے؟ وہ کہے گا میں ضرور تجھ پر سواری کروں گا' اس لئے کہ تو ایک مدت تک دنیا میں مجھ پر سوار رہا ہے' اب آج میری باری ہے' میں تجھ پر سواری کرونگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بالآخر وہ آدمی اس کافر پر سوار ہوجائے گا۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تفسیر' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کافر اپنے اپنے گناہ اپنی اپنی پیٹھ پر اٹھائیں گے۔ لوگو! خبردار ہوجاؤ' جس چیز کو کافر اپنی پیٹھ پر اٹھائیں گے وہ بہت بری چیز ہے۔

بس ہمیں اچھی طرح یہ عزم کرلینا چاہیئے کہ ایمان لانے کے فوراً بعد اعمالِ صالحہ اختیار کرتے چلے جائیں۔(غنیۃ الطالبین)

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانعام ۳۱۔۳۲)

ترجمہ: ''ان کا حال یہ ہوگا کہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے' دیکھو کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں' دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشہ ہے حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو نافرمانی سے بچنا چاہتے ہیں' کیا تم عقل سے کام نہ لوگے''۔(غنیۃ الطالبین)

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

(اور جنہوں نے حق بات اور صبر کرنے کی وصیت کی)

ایمان اور عمل صالح دونوں صفتیں تو وہ ہیں جو ایک ایک فرد میں ہونی چاہیئے ۔اس کے بعد یہ سورت دو مزید صفتیں بیان کرتی ہے۔''حق کی نصیحت و وصیت کرنا اور صبر پر قائم رہتے ہوئے اس کی تلقین کرنا'' خسارے سے بچنے کیلئے ضروری ہیں۔

اہل ایمان کا معاشرہ ایسا بے حس نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں باطل سر اٹھائے اور یہ خاموش تماشائی بنا رہے بلکہ اس معاشرہ میں اتنی غیرت' خودداری' جوش اور حوصلہ ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی میں باطل سر اٹھا ہی نہیں سکتا اور اگر اٹھا بھی لے تو نہ پنپ سکتا ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ بات یوں نہیں فرمائی کہ وہ ایمان و عمل صالح کی دعوت دیتے ہیں بلکہ یوں فرمائی گئی کہ وہ حق وصبر کی ایک دوسرے کو نصیحت و تلقین کرتے ہیں۔اس انداز بیان سے وہ باتیں بھی سمیٹ لی گئیں ہیں جو پہلے ٹکڑے میں بیان کی گئی ہیں۔

لفظ'' تَـوَاصَـوْا''اس آیت میں دو مرتبہ آیا ہے۔ یہ دراصل تواصی سے نکلا ہے اور تواصی' وصیت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں تاکید اور اصرار کے ساتھ کسی بات کی تلقین و نصیحت کرنا۔

اسی طرح لفظ'' حق'' بھی معنی اور مفہوم کے اعتبار سے بہت زیادہ وسیع ہے۔لفظ حق کے اندر ایمان بدرجہ اولیٰ داخل ہے اس لئے کہ وہ خدا کا حق اور سب سے بڑا حق ہے۔پھر اعمال صالحہ کا تعلق بھی یا تو خدا کے حقوق سے ہے یا بندوں کے حقوق سے' اس وجہ سے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔گویا حق کے دائرے میں چھوٹی سے چھوٹی صداقت سے لے کر کائنات کے بڑے حقائق وحقوق سب کچھ داخل ہوگئے یعنی تواصی بالحق کے ذیل میں چھوٹی سے چھوٹی اخلاقی نصیحتوں سے لے کر سب سے بڑا حق'' دعوت الی اللہ'' کا اعلان بھی شامل ہوگیا۔اس طرح تواصی بالحق کی جامع اصطلاح میں وہ سب مفہوم شامل ہیں جو قرآن مجید کی دوسری بہت

سی آیتوں سے سمجھ میں آتی ہیں پھر یہ کہ اس حق کا صرف اعتراف واعلان ہی نہ ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کی عملی شکل قائم کرنے کیلئے جدوجہد بھی کی جائے۔

لفظ صبر بھی انتہائی وسعت لئے ہوئے ہے چونکہ صبر وعزیمت کے بغیر حق کو اختیار کرنا' اس پر قائم رہنا اور اس کی راہ میں آنے والے مشکلات کو برداشت کرنا آسان نہیں۔ اس لئے صبر کے ذریعہ انسان کو زندگی کے ہر شعبہ یعنی خوشی اور غم' بیماری وصحت' امیری وغریبی' فائدہ اور نقصان' تکلیف وراحت' امید وخوف' نیکی اور بدی' ہر دو حالتوں میں ثابت قدم اور استقامت کے ساتھ زندگی گزارنے کی اسلام تربیت کرتا ہے۔

تواصی حق اور تواصی صبر ایک بہت بڑی ہدایت ونصیحت ہے

اس سورۃ میں مسلمانوں کو ایک بہت بڑی اور اہم ہدایت یہ دی گئی ہے کہ ان کا اپنے عمل کو قرآن وسنت کے تابع کر لینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسروں کو بھی قرآن و سنت کی طرف بلانے کی پوری پوری کوشش کی جائے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کیلئے کافی نہ ہوگا۔ دوسروں کی بداعمالیوں سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے۔

ایمان اور عمل دونوں کا بظاہر تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے۔ مگر انسان اس دنیا میں جنگلوں اور پہاڑوں میں بس کر یا رہبانیت اختیار کر کے زندگی نہیں گزارتا بلکہ وہ اہل وعیال' عزیز واقارب' دوست واحباب اور مُسلِم وغیر مُسلِم انسانوں کے ساتھ رہتا ہے اور معاشرتی مزاج رکھتا ہے۔ دنیا میں وہ اگر رہبانیت اختیار کر کے زندگی گزارے تو وہ گویا اپنی فطرت اور مزاج کے خلاف چل رہا ہے۔ مگر وہ زندگی کے ہر شعبہ میں کہیں ماں باپ' بھائی بہن' بیٹا بیٹی' نوکر آقا یا بادشاہ و رعایا کی شکل میں رہتا ہے اور ایک دوسرے کے تعاون سے اپنی زندگی کا کاروبار کرتا ہے۔ خاندان اور معاشرہ کے ساتھ اس کا تعلق فطری ہے جس طرح وہ اپنے دنیوی کاروبار میں ان کی مدد کرنے یا لینے پر مجبور ہے اسی طرح وہ روحانی اور اخلاقی ترقی میں بھی ایک دوسرے کی مدد سے ہی آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس لئے انسان پر یہ لازمی اور ضروری ہے کہ وہ خاندان اور معاشرے میں رہتے ہوئے خودغرض اور غفلت والی زندگی اختیار نہ کرے

بلکہ وہ اپنے معاشرے میں دوسرے انسانوں کو بھی گھاٹے اور خسارے سے بچا کر انکو ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی اور فلاح کی فکر کرے۔ ورنہ یہ چیز اس کی فطرت اور طبعیت کے خلاف ہوگی اور اس کا انفرادی طور پر اچھا بن کر زندگی گزارنا خودغرضی بن جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ خود اچھا بن جائے اور اپنے معاشرے کو جو اس کے اطراف ہے پاک صاف نہ کرے تو اس کے اطراف گندے اور ناپاک ماحول کی وجہ سے وہ خود بھی اپنی اچھائی کو کھوسکتا ہے اور گمراہی کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ اس کے اطراف گندے اور برے ہوں گے وہ بھی اس کو حق پر چلنے اور حق سے روکتے رہیں گے اور اس کی بندگی اور عبدیت میں بہت بڑی رکاوٹ بنیں گے اور قدم قدم پر اس کو اللہ کی بغاوت و نافرمانی کی دعوت دیتے رہیں گے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ خود انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور دوست احباب کو بہترین اخلاق والا اور صحیح راستے پر چلنے والا دیکھنا چاہتا ہے۔ اپنے احباب میں برائی کو پسند نہیں کرتا ان کو سیدھے اور صحیح راستے پر چلانا چاہتا ہے۔

انسان کی فطرت کے ان تینوں تقاضوں کے تحت انسان پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح سے جو حق اور حق کا سکون اور کامیابی کی راہ پایا ہے اور وہ خود بھی بے چین و بے قرار رہے گا دوسروں کو حق کی وصیت اور نصیحت کرنے اور اس راستے کا صبر اختیار کرنے کی دعوت دینے کیلئے' اگر اس نے باقی یہ دو کام نہیں کئے تو گویا وہ اپنی فطرت کے خلاف خود غرض زندگی گزار کر دنیا میں فساد کے پھیلانے کا ذمہ دار بن رہا ہے اور اسکی غفلت' نااہلی اور انجانے پن سے دوسرے انسان جہنم کے راستے پر چل کر گھاٹے اور خسارے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان آیتوں میں یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ حق اور صبر کی نصیحت اور وصیت دوسروں کو کریں گے وہ ایمان اور عمل صالحہ سے خالی نہیں رہیں گے بلکہ انکو نصیحت اور وصیت کے ساتھ ساتھ خود بھی ایمان اور عمل سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ ہر انسان کو کامیابی حاصل کرنے کیلئے ان چاروں صفات سے آراستہ ہونا چاہیئے۔ کسی ایک کی کمی سے نجات نہیں ہوگی۔

صبر کیا ہے؟ دراصل ان حقوق و فرائض کو ادا کرنے میں جو بھی تکلیف اور ضبط برداشت کرنا پڑتا ہے وہ صبر ہی ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ رہتا ہے۔ صبر عام طور پر تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) نیکیوں پر جمنے کیلئے صبر کرنا (۲) برائیوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کیلئے صبر کرنا (۳) مصیبت اور تکلیف کو برداشت کرنے کیلئے صبر کرنا۔

(۱) نیکیوں پر جمنے کیلئے صبر کرنا سے مراد مثلاً انسان کو حلال روزی کمانے کیلئے سخت محنت و مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور آمدنی کم ملے تو اسی میں گذر بسر کرنا پڑتا ہے اور شان و شوکت اور شاہانہ زندگی کے مقابلے سیدھی سادی زندگی گزارنا پڑتا ہے۔ موٹر بنگلہ اور کوٹھی کے مقابلہ معمولی کرایہ کے مکان میں رہنا پڑتا ہے اسی طرح (۲) شراب، زنا، سود، رشوت، جوڑے گھوڑے کی رقموں سے بچنے کیلئے مجاہدہ اور برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بے پردگی اور عریانیت سے دور رہنے کیلئے تھوڑی تکلیف پردہ اور نقاب کو برداشت کرنا صبر ہے (۳) اسی طرح زلزلے، طوفان، بیماریوں، موت وغیرہ کے حالات میں صبر اختیار کرنا پڑتا ہے۔

اسی لئے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق حق کی دعوت دینے کا کام فرض کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اکثر مسلمان غفلت میں مبتلا ہیں، خود عمل کر لینے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام صرف علماء کیلئے ہی نہیں بلکہ ہر شخص کیلئے ہے، عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہیکہ یہ کام صرف علماء سے متعلق ہے حالانکہ قرآن و حدیث میں اس طرح کی کوئی تخصیص اور صراحت نہیں ملتی ہے بلکہ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ہر مسلمان پر بقدر استطاعت اور بقدر استعداد ڈالی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے فرض منصبی کو قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ** ۔تم بہترین امت ہو جو نکالی گئی ہو انسانوں کیلئے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ (آل عمران)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے

ہیں کہ اس میں امت کو مخاطب بنایا گیا ہے اور لِلنَّاس کہا گیا۔ لِلْمُسْلِمْ نہیں کہا گیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ اس امت کو دنیا کے سارے انسانوں کیلئے نکالا گیا ہے ۔ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ۔ اس لئے حق کی وصیت و نصیحت اپنوں اور غیروں دونوں کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق کرتے رہنے سے ہی خسارے اور گھاٹے سے بچا جا سکتا ہے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ جب تم کسی برائی کو دیکھو تو اسکو اپنے ہاتھ سے روک دو، اگر اسکی طاقت نہ ہو تو زبان سے برا بولو، اگر اسکی بھی استطاعت نہ ہو تو کم سے کم دل سے برا جانو اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (بخاری)

عقلی اعتبار سے بھی یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے

عقلی اعتبار سے ہم یہ بات بہت اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کی ہر شئے اپنا ایک اثر رکھتی ہے وہ یا تو ماحول کو متاثر کر دیتی ہے یا پھر وہ خود ماحول سے متاثر ہو جاتی ہے۔ مثلاً برف میں ٹھنڈک ہو تو وہ اپنے اطراف لازماً سردی پیدا کر دے گی اور جو چیز بھی اس کے قریب ہو تو وہ بھی اس کی ٹھنڈک سے متاثر ہو کر ٹھنڈی ہو جائے گی ۔ اسی طرح آگ میں حرارت ہو تو وہ یقیناً اپنا اثر دکھائے گی اور لازماً اپنے اطراف کے ماحول میں گرمی پیدا کر دے گی ۔ بس یہی معاملہ ایمان اور اعمال صالحہ کا ہے۔

بلب اور پاور ہاوس پر غور کیجئے ۔ بلب کا تعلق جب پاور ہاوس سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ ایک دم اعمالِ صالحہ کی طرح خود بھی روشن ہو جاتا ہے اور اس روشنی کے نور سے اپنے اطراف و اکناف کو بھی منور کر دیتا ہے ۔ یعنی اپنے اطراف کے اندھیرے کو اجالے میں تبدیل کر دیتا ہے اسی طرح ایک مسلمان جب قرآن پاک سے اپنے خالق و مالک کا تعارف حقیقی معنوں میں حاصل کرتا ہے تو اس کے ایمان میں عجیب روشنی پیدا ہو جاتی ہے ۔ خود بھی اس روشنی میں زندگی گزارتا ہے اور دوسروں میں اس روشنی کو منتقل کر کے سارے معاشرے کو روشن کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ ایسا انسان جس کی زندگی میں اللہ کی معرفت والا نور ہو وہ اب اندھیرے کو دیکھ کر خاموش نہیں بیٹھ سکتا ۔ وہ ہر غافل انسان کو جگاتا ہے ۔ حق کی دعوت و نصیحت کرتا رہتا ہے

اور اندھیروں کو ختم کر کے ساری دنیا کے انسانوں کو حق کی معرفت کے نور سے منور کرنا چاہتا ہے ۔اس کوشش اور محنت میں جو بھی مشکلات' تکالیف اور پریشانیاں آتی ہیں اس کو وہ صبر کے ساتھ اللہ کے واسطے برداشت کرتا رہتا ہے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی چیز کو سچ اور حق جانتا اور مانتا ہے تو وہ خود بھی اسے عملاً اختیار کرتا ہے اور اپنے کنبے اور معاشرے اور تمام سوسائٹی کو بھی ان کے فائدے اور بھلائی کی خاطر اس حق کو ماننے اور قبول کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

انسان کی انسانیت' غیرت وحمیت اور شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس حق کو اس نے خود قبول کیا ہے اور جو شئی اس کے دل و دماغ کو جس قدر محبوب ہے اس کے پاس اس چیز کیلئے اسی قدر غیرت اور استقلال رہے گا۔ وہ اسی چیز کی اہمیت بتائے گا' اسی کا پرچار کرے گا اور اسی کا مبلغ اور علمبردار بنا رہے گا ۔اسی وجہ سے اس کے اندر اس حق کیلئے اسی درجہ کا جذبہ غیرت و حمیت بھڑکے گا۔ وہ اس کی تحقیر واہانت کو چپ چاپ برداشت نہیں کر سکے گا۔اس کی حمایت کیلئے اس کی غیرت ضرور جوش میں آئے گی وہ صرف یہی نہیں چاہے گا کہ اکیلا وہی اس کو اپنائے' وہ جہاں کہیں بھی حق کو مظلوم ومغلوب اور باطل کو غالب و برتر دیکھے گا تڑپ اٹھے گا اور حق کی حمایت میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دے گا۔اس کی بے چینی و بے قراری دوسروں کو بھی ''حق'' کی حمایت کیلئے ابھارے گی' وہ لوگوں کی منت وسماجت بھی کرے گا اور گزارش وخوشامد سے بھی دریغ نہ کرے گا۔ وہ چاہے گا کہ لوگ کسی طرح حق کے پرستار اور دلدادہ بن جائیں۔ اگر حق کی مغلوبی اسے بے چین نہیں بناتی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ابھی اس کو حق کا عرفان نصیب نہیں ہوا ہے' جس شخص کو حق کا عرفان نصیب ہوگا' وہ اسی کا ہو کے رہ جائے گا' پھر اس حق سے وابستگی اور اس کی حمایت کی راہ میں مصائب وشدائد اور مشکلات جو بھی مرحلے آئیں گے وہ ان سے صبر وشکر کے ساتھ گزرے گا' اس کے دل میں نہ کبھی گھبراہٹ پیدا ہوگی اور نہ اس کے پاؤں میں کبھی ڈگمگاہٹ آئے گی ۔مصائب کی بھٹی میں اس کا ایمان اور حق کا عرفان مزید نکھرے گا' ہر تازہ مصیبت کے بعد اس کی حق پسندی اور حق گوئی کا ذوق وجذبہ مزید قوی اور توانا ہوگا۔ کسی بھی شریف' صاحب کردار' صحیح الدماغ اور سلیم القلب انسان کیلئے اس

کے علاوہ کوئی دوسری روش اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔اس تشریح سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایمان، عمل صالح، **تواصی بالحق** اور **تواصی بالصبر** ایک جانب تو نجات کیلئے ضروری ہیں اور دوسری جانب یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خود لازم وملزوم بھی ہیں۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو صبر وتحمل کی تعلیم دے کر کوئی بزدلی اور کمزوری کی دعوت نہیں دی ہے بلکہ بہادری اور اولوالعزمی واعتدال کی طرف بلایا ہے اور اپنے مشن کیلئے ہر قسم کی تکلیف ومصیبت برداشت کرنے کیلئے آمادہ کیا ہے اور بتادیا ہے کہ کامیابی وکامرانی مصائب ومشکلات پر اسی طرح صبر وتحمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

مگر افسوس! مسلمانوں کو سورہ عصر کی یہ ہدایت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دنیا کے گوشے گوشے میں وہ ان چاروں صفات کے خلاف زندگی گزار رہے ہیں۔ان کی زندگی کے حالات کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل واخلاق دونوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں، نہ ان کو اپنا مقصدِ وجود ہی معلوم ہوا ہے اور نہ وہ گمراہ اور باطل انسانوں کی گمراہی اور باطل پرستی پر حق کی تلقین کرنا جانتے ہیں، ان کی زندگیاں صبر سے بالکل خالی ہیں اور نہ وہ صبر کی حقیقت سے واقف ہیں، ان کو مخالفانہ ماحول اور حالات میں زندگی گزارنے کا طریقہ ہی نہیں معلوم۔گھر سے لے کر باہر کی دنیا میں یعنی اپنوں اور غیروں میں جہاں کہیں بھی ان کو مخالف ماحول سے سابقہ پیش آتا ہے، وہاں وہ نفرت، عداوت، دشمنی، حقارت اور بغض رکھتے ہوئے ٹکرا جاتے ہیں یا پھر بیمار انسانوں کی بیماریوں کو قبول کرتے ہوئے خود بھی بیمار بن جاتے ہیں۔دنیا کے تمام انسانوں کا خیر خواہ بننے کے بجائے ان کیلئے زحمت بنے ہوئے ہیں اور اپنی ہی بیوقوفی، نادانی سے کہیں گھر کے اندر اور کہیں کنبے اور خاندان اور کہیں سماج وسوسائٹی اور کہیں اپنوں اور غیروں میں لڑائی جھگڑے کے میدان آباد کئے ہوئے ہیں اور صبر جیسی نعمت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں۔

سورۃ کے شان نزول پر اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے صحابہ کس انداز سے صبر کرتے ہوئے اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔مکہ کا معاشرہ پورا کا پورا غیر مسلم اور مخالف ماحول وحالات میں گھرا ہوا تھا اور ہر مسلم غیر مسلم گھرانوں میں پھنسا

ہوا تھا۔ کسی کا باپ اسلام قبول کئے ہوئے تھا' کسی کا بیٹا' کسی کی بیٹی اور کسی کا غلام' اس لحاظ سے ان کو آپس میں حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کی گئی ۔گویا باطل اور گمراہ معاشرے میں حق کی نصیحت اور وصیت کرتے ہوئے صبر اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ۔غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے اولوالعزمی اور ہمت کیساتھ حق کی دعوت ونصیحت کی اور زندگی کے ہر ہر موڑ پر کس طرح صبر کیا۔ وہ مسلمان جو پوری دنیا میں غیر مسلم اور مخالف ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں کیا ان کو مکی زندگی سے سبق حاصل نہیں ہوتا اور وہ کیوں مکی زندگی کی نقل نہیں کرتے ؟ حالانکہ صبر کی کیفیت تو عام طور پر مخالف ماحول اور مخالف حالات ہی میں زیادہ کرنی پڑتی ہے۔

دوسری حقیقت یہ سمجھنے کی ہے کہ اگر زمین پر حق کی محنت نہ کی جائے تو فساد ہی فساد برپا ہوگا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے فرض کیجئے کہ حکومت کی طرف سے کسی باغ کی حفاظت کیلئے کچھ مالیوں کو مقرر کیا جائے کہ وہ اس باغ کی برابر دیکھ بھال کریں۔ درختوں کی جڑوں کو صاف کرتے رہیں' ان کو وقت پر پانی دیتے رہیں اور جو شاخیں زائد ہوں ان کی تہذیب کریں اور مختلف نقصان دینے والے جانوروں سے باغ کی حفاظت کریں لیکن اگر مالیوں نے باغ کی دیکھ بھال چھوڑ دی اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کیا تو چند دن میں سرسبز و شاداب باغ جنگل کی شکل اختیار کرلے گا اور سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے جانوروں کی پناہ گاہ بن جائے گا۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں نے دنیا کے اس باغ پر محنت کرنا چھوڑ دیا ہے اور اپنی ذمہ داریوں سے غافل بنے بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے خود ان کے گھروں' بستیوں اور شہروں میں باطل اور باغی انسان پھیلے ہوئے ہیں۔

آج ہم اور آپ تلوار سے طاقت پیدا نہیں کرسکتے بلکہ صرف حق کی طرف دعوت دے کر اپنا وقار پیدا کرسکتے ہیں ۔آج سارے عالم کے مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی اور فلاح اسی دعوتی کام میں مضمر ہے ۔دعوتِ حق کا یہ کام ہماری زندگیوں میں ایک عظیم انقلاب لاسکتا ہے اور ہم میں وہ قوت پیدا کرسکتا ہے کہ جو بھی ہمارے پاس آئے روحانیت سے منور ہوجائے۔' حق کو دوسروں تک پہنچانا اور دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام انتہائی امانت' دیانت اور صبر کے ساتھ کرنا خدا کا حکم ہے اور خدا کا کام کرنے والا خدا کی نگرانی میں ہوتا ہے۔اگر دل میں یہ تصور

جاگ اٹھے کہ خدا کی مدد ہمارے ساتھ ہے تو پھر ہر تکلیف' پریشانی ومصیبت' ڈر اور خوف پر صبر کیساتھ زندگی گذارنا آسان ہوجاتا ہے۔

گورنمنٹ کا ایک ادنیٰ ملازم جب سرکاری کام پر ہوتا ہے تو غور کیجئے کہ اس میں کتنی ہمت ہوتی ہے۔اس کی تمام جرات صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ سرکاری ملازم ہے اگر اس پر کوئی حملہ کرے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے سرکار پر حملہ کیا۔ یہی تصور حق کی دعوت دیتے اور دین کا کام کرتے وقت ہر مسلمان کے دل میں ہونا چاہیئے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان دنیوی اعتبار سے بھی اپنے آپ کو گھاٹے اور خسارے سے اسی وقت بچاسکتے ہیں جب ان میں یہ چار صفات پیدا ہوجائیں۔اس کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی نجات کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ ہر زمانے میں کامیابی ونصرت ان ہی لوگوں کو نصیب ہوئی جنہوں نے ایمان کو حق جانا اور اس حق پر زندگی گزاردی اور اسی حق کی نصیحت ووصیت کی اور اس پر صبر کیا اور جن لوگوں نے ایمان والوں کی مخالفت کی ان کو تکلیف دی' ایزائیں پہنچائیں' وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوئے' فرعون' ہامان' نمرود' شداد' ابوجہل' ابو لہب ہوں یا موجودہ دور کی بڑی طاقتیں ان کا انجام کار خود ہی ذلت وخواری سے دوچار ہوا۔

وَذَرِالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْ دِينَهُمْ لَعِباًوَّ لَهْوا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاوَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَاكَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلَ كُلَّ عَدْلٍ لَّايُؤْخَذْ مِنْهَا ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ ابْسِلُوْ بِمَاكَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌ . بِمَا كَانُوْايَكْفُرُوْنَ . (الانعام:۷۰)

ترجمہ:''اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہئے جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنارکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعہ نصیحت بھی کرتے رہئے تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جاوے کہ کوئی اس کا نہ مددگار ہوگا اور نہ سفارشی ہوگا' اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جاوے' یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کیلئے نہایت تیز پانی پینے کیلئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب''۔

اذیت پر صبر کرنا قابل تعریف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے اذیت پہنچنے پر صبر کرتا ہے اس سے اچھا ہے جو لوگوں سے نہ ملتا ہے اور نہ ان سے اذیت پہنچنے پر صبر کرتا ہے۔ (ترمذی)

صبر کی فضیلت حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بھلائی کے کام کراتا ہے (اسے نرمی، صبر اور پرہیز گاری کی توفیق عطا فرماتا ہے۔) (ترمذی)

صبر کرنے والے کا بہت بڑا درجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جب کسی ایماندار بندے کی کوئی پیاری چیز گم یا ضائع ہو جاتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور (صبر کرنے کو) اپنے لئے باعث ثواب سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا کئے بغیر راضی نہیں ہوتا (نسائی)

مومن کامل کیلئے خوشی اور غم دونوں ہی نعمت حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی شان عجیب ہے اس کے تمام کام نیکی ہیں اور یہ شان صرف مومن کے ساتھ مخصوص ہے، اگر اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ شکر اس کے لئے نیکی ہے اور جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کیلئے نیکی ہے۔ (مسلم)

ظلم اور گناہ کو روکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اسے ظلم کرنے سے باز نہ رکھ سکیں تو جلد خدا ان سب پر عذاب نازل کرے گا اگر کسی قوم میں کثرت سے گناہ ہوئے ہوں اور بعض لوگ یہ قدرت رکھتے ہوں کہ انہیں گناہ کرنے سے باز رکھ سکیں مگر ایسا نہ کریں تو جلد خدا ان سب کو مبتلاءِ عذاب کر دے گا۔ (ترمذی)

دنیا کو سب کچھ سمجھنے پر کیا حال ہوگا؟ تفسیر درمنثور میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت ان کے دل سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف (نیکیوں کی راہ بتانا) اور نہی عن المنکر (برائیوں سے روکنا) چھوڑ دے گی تو وحی کی برکت سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نظر سے گر جائے گی۔

حق کی طرف دعوت دینے سے دعا قبول ہوگی ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبصہ میں میری جان ہے'' یہ ضروری ہے اور پھر ضروری ہے کہ نیکیوں کا حکم کرتے رہو اور برائیوں سے روکتے رہو ورنہ جلد ہی تم سب پر اللہ عذاب بھیجے گا۔ پھر اس وقت اللہ سے تم بے شک دعا بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہ کرے گا۔

کلمہ والوں کو کلمہ کب تک فائدہ دے گا؟ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **لا الہ الا اللّٰہ** اپنے پڑھنے والوں کو اس وقت تک نفع دیتا رہے گا اور ان سے عذاب و بلا کو اس وقت تک دفع کرتا رہے گا جب تک اس کے حق میں لاپرواہی نہ کریں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کے حق سے لاپرواہی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اس کے حق کی لاپرواہی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر ہونے لگیں اور ان سے روکا نہ جائے اور انہیں بند نہ کیا جائے۔

عام و خاص دونوں پر عذاب آنے کی وجہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ اس وقت تک ہلاک نہ ہوں گے جب تک کہ ان میں گناہ کی زیادتی نہ ہو جائے گی۔ (ابوداود)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کسی قوم کو اس کے بعض آدمیوں کے گناہوں پر عذاب میں مبتلا نہیں کرتا جب تک کہ قوم کے اکثر آدمی اس امر کو نہ دیکھ لیں کہ ان کے درمیان خلاف شرع امور کا ارتکاب کیا گیا ہے اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں؛ جب یہ خاموشی اور غفلت بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ عام و خاص سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (مشکوۃ)

اسی حدیث کی روشنی میں ہم سب کو جائزہ لینا چاہئے کہ ہم اپنے بیٹا بیٹی؛ دوست؛ احباب اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے کتنا ان کو حق کی تلقین کرتے ہیں اور کتنا ان کے گناہ فسق و فجور اور نافرمانیوں اور بغاوت میں خاموش تماشائی بن کر دیکھتے اور ساتھ دیتے ہیں۔

ظالموں کو گناہوں سے باز رکھتے ہوئے ان کی محفلوں سے کنارہ کشی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل جب گناہوں میں مبتلا

ہو گئے تو اول ان کے علماء نے ان کو نصیحت کی اور گناہوں سے منع کیا اور جب وہ منع کرنے سے باز نہ آئے تو وہ بھی ان کی محفلوں میں شریک ہونے لگے اور ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دلوں کو بعض کے دلوں کے سبب سیاہ کر دیا اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت بھیجی اور یہ لعنت ان کے گناہ کرنے اور حد سے تجاوز کرنے پر کی گئی تھی۔

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے یہ کہہ کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم اس وقت تک عذاب الٰہی سے نجات حاصل نہ کر سکو گے جب تک کہ تم ظالموں اور فاسقوں کو گناہوں سے نہ روکو۔ (ترمذی)

صبر کی ترغیب دینے والی مثالیں

پاگلوں کے دواخانے میں پاگلوں کو ناچتے' گاتے' برہنہ پھرتے' سڑی گلی چیزیں کھاتے اور ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوئے دیکھ کر کیا ڈاکٹر بھی وہی حرکتیں شروع کر دیتا ہے؟ نہیں ڈاکٹر اپنے اندر پاگلوں کا ایک عمل بھی پیدا ہونے نہیں دیتا۔ بالکل اسی طرح امت مسلمہ کو اس دنیا کے بگڑے اور بھٹکے ہوئے انسانوں کی سدھار کیلئے رکھا گیا ہے مگر اکثر لوگوں کی صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے پاس صبر نام کی کوئی چیز ہی نہیں اور وہ بیمار انسانوں کی آزادانہ' فاحشانہ' وحشیانہ اور ناپاک خواہشات والی من چاہی زندگی کو دیکھ کر ان ہی کی طرح زندگی اختیار کر رہے ہیں' ان کو اسلامی اعمال صالحہ کے مقابلے میں بیمار انسانوں کی بے حیائی' بے پردگی' عریانیت' حرام کمائی' فضول خرچی اور وقت کو فلموں اور ڈراموں میں استعمال کرنا بے انتہا پسند ہے۔ غرض وہ بیمار انسانوں کے سارے برے اعمال کو دیکھ کر صبر کرتے ہوئے نیکی پر جمے رہنے اور گناہوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے صحیح اعمال چھوڑ کر بیماروں کے اعمال اختیار کر رہے ہیں یعنی وہ مریضوں میں رہ کر خود بھی مریض ہی کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔

بہترین امت جو لوگوں کے فائدہ کیلئے نکالی گئی ہے

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں بہترین امت بنایا اور سارے عالم کے انسانوں کی سدھار کیلئے دنیا میں رکھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا

سے چلے جانے کے بعد اب کوئی نبی قیامت تک نہیں آئے گا۔ ہمیں اب حضورؐ کا نمائندہ بنا کر دنیا میں رکھا گیا ہے۔ گویا ہم دنیا کے تمام انسانوں کے لئے استاد اور ڈاکٹر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر آپ کو حکومت کی طرف سے کسی دواخانے میں ڈاکٹر بنا کر رکھا جائے اور اگر کوئی مریض پاگل انسان آپ پر پیشاب کر دے تو کیا آپ ڈاکٹر ہونے کے ناطے اس کا گلہ پکڑ کر لڑنے بیٹھ جائیں گے؟ کیا اس کی پٹائی کریں گے؟ ایسا نہیں بلکہ آپ ڈاکٹر ہونے کے ناطے یہ سوچیں گے کہ اسے درست کیسے کیا جائے۔؟ اس کو بیماری سے بچا کر صحت مند کیسے بنایا جائے۔؟ دنیا کے کسی دواخانے میں ہم نے کسی بھی ڈاکٹر کو مریض سے لڑتا ہوا نہیں دیکھا مگر ہمارا حال بھی عجیب ہے۔ ہم حضورؐ کے نمائندہ کی حیثیت سے روحانی ڈاکٹر ہیں اور دنیا کے تمام انسان ہمارے لئے مریض کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ مریض ہمارے لئے جنت حاصل کرنے اور جنت میں درجات کی بلندی کا ذریعہ ہیں۔ تاجر ہمیشہ اپنا مال فروخت کرنے کی فکر میں رہتا۔ کوئی تاجر کسی گاہک سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتا۔ اگر کوئی تاجر گاہک سے لڑائی جھگڑا کرے تو وہ بے وقوف بھی ہے اور اپنے آپ کا نقصان کرنے والا بھی ہے۔ پیارے بھائیو ان دو مثالوں کو سامنے رکھو اور سوچو کہ دنیا کی تجارت میں تو ہم گاہک کو برداشت کرتے ہیں مگر آخرت کی روحانی تجارت میں ہم اپنے گاہک سے لڑتے اسی کی طرح پاگل پن کرتے ہیں۔ دنیا میں کسی بھی ڈاکٹر کو اپنے مریض سے نفرت نہیں ہوتی۔ وہ صرف مرض سے نفرت کرتا ہے۔ اگر کسی ڈاکٹر کو مریض سے اور مرض سے دونوں سے نفرت ہو جائے تو پھر وہ ناکام اور بے وقوف ڈاکٹر ہے۔ اس کا ڈاکٹر رہنا بے کار ہوگا۔ ہم سب سے اچھی امت ہوتے ہوئے سب سے خراب کام کیسے کر سکتے ہیں؟ ہمیں تو سب سے اعلیٰ اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے اور اپنے جسم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کو ظاہر کرنا چاہیئے۔ دنیا کی قومیں قرآن پڑھنے سے پہلے آپ کو اور آپ کی زندگی کو پڑھیں گی۔ یہ بات سمجھ دار لوگوں کو ہی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بس اسی طرح امت مسلمہ کو دنیا کے اس دواخانے میں سارے انسانوں کے لئے روحانی ڈاکٹر کی حیثیت سے رکھا گیا ہے۔ مگر اکثر لوگ ڈاکٹر ہونے کے باوجود اپنوں اور غیروں دونوں کیلئے بھی نقصاندہ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں شعور کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی نسلوں کو دنیا کی

صرف چند روزہ چمک دمک' جھوٹی عزت' عیش و آرام کی خاطر دین سے دور اور دنیا سے قریب کر کے انکی آخرت تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ یہ دوستی اور خیر خواہی نہیں بلکہ سب سے بڑی دشمنی ہے کہ کسی انسان کو دین کی تعلیم سے دور رکھ کر دنیا دار بنا ڈالیں اور اسکی اور اسکے نسلوں کی آخرت برباد کر دیں۔ موجودہ زمانے کے اکثر ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ یہی دشمنی کر رہے ہیں

غیروں کے ساتھ دشمنی کا معاملہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ہونے کے باوجود صبر کے نہ ہونے کی وجہ سے بدلہ لینے اور ٹکرانے کے اصول کو اپنائے ہوئے ہیں' رتبہ و مقام میں بڑے ہونے کے باوجود رحم اور عفو و درگذر کرنا ہی نہیں جانتے۔ پیغمبر کے عمل اور ان کے عمل میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ اپنے ان مریضوں سے جن کے علاج کی کوشش کرنے پر جنت میں بڑے بڑے درجات ملیں گے جو ان کیلئے جنت حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں' ان ہی سے نفرت' بغض' عداوت رکھتے ہیں' ان کو مریض سے بھی نفرت ہے اور مرض سے بھی' بھلا اگر کسی ڈاکٹر کو مریض اور مرض دونوں سے نفرت ہو تو پھر وہ علاج کس کا کرے گا؟ مریض صحت مند کیسے ہوں گے؟

اسی طرح اگر آپ کو غنڈوں سے سابقہ پڑ جائے تو کیا آپ یکطرفہ صبر نہیں کرتے تو پھر وہ علاقہ جہاں ظلم و بربریت پھیلی ہوئی ہے اور آپ بے بسی کی زندگی گذار رہے ہیں اور ظلم کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو وہاں آپ صبر کیوں نہیں کرتے؟ کیوں جذبات کا شکار ہو کر ہوش کھو بیٹھتے اور اپنی موت کو دعوت دیتے ہیں۔ آپ رسولؐ اور صحابہ کی مکی زندگی سے سبق کیوں نہیں حاصل کرتے؟

خلیفہ ہارون رشید کو نصیحت

بہلول داناؒ خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں بلا روکٹوک داخل ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ بہلول دانا جب آ گئے تو ہارون رشید نے ایک چھوٹی سی لکڑی یہ کہتے ہوئے ان کو دی کہ بہلولؒ! دنیا میں تم کو جو سب سے بڑا بے وقوف نظر آئے اسے یہ لکڑی دے دینا۔ بہلول خاموشی کے ساتھ وہ لکڑی لے کر چلے گئے' پھر کافی زمانہ گذرنے کے بعد جب خلیفہ ہارون رشید اپنی زندگی کے آخری دن بستر پر گذار رہے تھے' بہلول دانا خلیفہ ہارون رشید سے ملاقات کرنے تشریف

لائے تو خلیفہ نے کہا' بہلولؒ! اب ہم آخرت کے سفر پر روانہ ہونے والے ہیں' ہمارے لئے دعا فرمایئے۔ بہلول داناؒ نے پوچھا اچھا آپ آخرت کے سفر پر تشریف لے جانے والے ہیں تو پھر کتنے انتظامات اور کیا تیاری اس سفر کیلئے آپ نے کی ہے؟ خلیفہ نے پوچھا میں سمجھا نہیں' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ بہلولؒ نے کہا کہ جب بھی آپ دنیا کے کسی سفر پر جاتے تو سب سے پہلے وہاں اپنے جاسوس روانہ کرتے پھر حالات جاننے کے بعد ٹھہرنے کیلئے آرام دہ 'عمدہ اور محفوظ مقام پسند کیا جاتا تھا' پھر راستوں کی گندگیوں کو دور کر کے صفائی کرتے ہوئے راستے کو آرام دہ بنایا جاتا تھا اور آپ سے پہلے آپ کے پسندیدہ باورچی' خدمت گذار' مختلف سواریاں وہاں پہنچ جاتیں اور آپ محافظ دستے کے ساتھ پولیس کی خاص نگرانی میں سفر کرتے ہوئے وہاں پہنچ جاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ دنیا کے سفر کیلئے تو یہ سارے انتظامات اور اتنی تیاریاں کی جاتی تھیں پھر جب آپ آخرت کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں تو آپنے کیا کیا انتظامات کئے اور کتنی حفاظت کا بندوبست کیا۔

خلیفہ ہارون رشید نے جیسے ہی سنا کہا کہ آہ بہلولؒ یہ سب انتظامات کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ یہ سفر تو آخرت کا سفر ہے۔ تب بہلول داناؒ نے اپنی جیب سے لکڑی نکال کر خلیفہ ہارون رشید کو دیا تو خلیفہ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ اس پر بہلول داناؒ نے کہا آپ ہی نے یہ کہہ کر مجھے دیا تھا کہ دنیا میں جو سب سے بڑا بے وقوف تمہیں نظر آجائے اس کو یہ لکڑی دے دینا اس لئے میں آپ کو یہ دے رہا ہوں کیوں کہ جو مقام عزت کے لائق نہیں اور جہاں کا قیام ہمیشہ کا نہیں اور جو سرائے اور قید خانہ ہے وہاں تو آپ نے بہت سارے انتظامات کئے اور خاص حفاظت میں رہے اور جو ہمیشہ ہمیشہ کی قیام گاہ ہے اور جہاں کا قیام حقیقی ہے اور جہاں کی عزت حقیقی عزت ہے' وہاں کے سفر کیلئے ایسا کوئی انتظام نہیں کر سکے' افسوس۔ صد افسوس۔

اعمال صالحہ اختیار کرنا ایک مشکل ترین کام کا تصور

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے گناہوں سے بچنا اور اعمال صالحہ اختیار کرنا بہت مشکل ہے' اسی لئے وہ رہبانیت اختیار کر لیتے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ انسان دنیا

میں خیر وشر کے ماحول میں رہتے ہوئے اس امتحانی اور آزمائشی زندگی میں اختیار وارادے کی قوت رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ کر کے گھاٹے اور خسارے سے بچ کر کامیابی کی منزل پر چلا جائے۔ یہ کوئی کمال نہیں کہ انسان خیر وشر کے ماحول سے دور رہ کر سنیاسی بن کر اپنے آپ کو ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔

ایک دیندار بادشاہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ آپ اتنے بڑے عہدے پر ہوتے ہوئے کیسے اسلامی احکامات کے مطابق زندگی گذار رہے ہیں اور کیسے شراب' زنا اور عیاشی سے دور ہیں جب کہ اکثر وہ لوگ جو اس عہدے پر رہتے ہیں' اچھے اخلاق اور اچھے اعمال سے بالکل دور ہی دور رہتے ہیں۔

بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو بلایا اور حکم دیا کہ اس شخص کو فلاں بازار میں جو عیاشیوں کا اڈا ہے لے جاؤ' خوب سیر کراؤ' خوب کھلاؤ پلاؤ اس کے بعد کہا کہ اس بازار میں گھماتے گھماتے تلوار سے اسکی گردن الگ کردو' سپاہی اس شخص کو بازار میں لے گئے جو عیاشیوں کا اڈا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک آئینہ رکھا اور گردن کے قریب ننگی تلوار رکھ کر گھمانا شروع کیا' شام تک بازار میں گھمانے کے بعد بادشاہ کے پاس واپس لے آئے تو بادشاہ نے سوال کیا کہ ہم نے تم کو مہلت دی تھی کہ اس بازار میں خوب سیر کرلو اور وہاں کی آوارہ عورتوں کے گانے بجانے' ناچ اور انکے جسم سے اپنی آنکھوں اور کانوں کو خوب مزہ دے لو اور وہاں کے لذیذ غذاؤں کا خوب مزا اٹھالو۔ تم نے کیا کیا دیکھا اور کتنا مزہ اٹھایا؟ اس شخص نے کہا میں اس بازار میں گذرا تو ضرور مگر وہاں کی کسی چیز سے مزہ نہیں لیا یہاں تک کہ آنکھ تک اٹھا کر انکی طرف نہیں دیکھا۔ بادشاہ نے کہا مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ تم اس بازار میں گئے اور اپنے آپ کو ان چیزوں سے مزہ لینے سے روکے رکھا۔ اس شخص نے کہا کہ اس بازار سے میں گذرا تو ضرور مگر میری نگاہیں صرف آئینہ ہی پر تھیں اور میں اس آئینہ میں دیکھ رہا تھا کہ کب تلوار میری گردن پر پڑتی اور میں قتل کر دیا جاتا' موت کے ڈر سے میں نہ خوبصورت عورتوں کو دیکھا اور نہ انکے رقص وگانوں کو اسلئے کہ موت کی تلوار میرے سر پر لٹک رہی تھی۔ تب بادشاہ نے کہا میں بھی اس کرسی پر بیٹھ کر اللہ کو حاضر وناضر جانتے ہوئے اپنی موت کو دیکھتا ہوں جو ہر وقت

میرے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہی ہے۔ میں کیسے اسلام سے ہٹ کر زندگی گذار سکتا ہوں۔؟ موت کو یاد رکھتے ہوئے میں کیسے غفلت اور عیاشی میں مبتلا ہوسکتا ہوں؟ جو انسان موت کو بھول جاتا ہے اور آخرت سے غافل بن جاتا ہے بس وہی اعمال صالحہ کو ترک کر کے خواہشات نفس کے ساتھ اس دنیا کی عیاشیوں کے بازار میں گم ہوجاتا ہے اور آج دنیا میں جتنے انسان بھی گناہ اور نافرمانیاں کررہے ہیں وہ آخرت اور موت سے غافل بنے ہوئے ہیں۔

خصوصی توجہ طلب بات

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر جو جسمانی علاج کرتا ہے جب کسی مریض کو فائدہ نہیں ہوتا تو مسلسل وہی دوا جاری نہیں رکھتا بلکہ اصل مرض کی تلاش شروع کرتے ہوئے مختلف معائنے اور امتحانات کروا کر بالآخر مریض کی اصل بیماری کو پہچان لیتا ہے۔اسی طرح ہمارے وہ اکابر اور علماء دین جو ہماری روحانیت کا علاج کرتے ہیں جب وہ خود دیکھ رہے ہیں کہ امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد اللہ کا صحیح تعارف نہ ملنے کی وجہ سے کلمہ پڑھنے کے باوجود برسہابرس سے نسل درنسل شرک و بدعات میں مبتلا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ وہ دین بیزار ہیں اور کہیں پر اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی کوشش کی جائے تو احتجاج اور جلوس نکال کر مخالفت کرتے ہیں یا پھر بعض احکام میں نقص تصور کرتے ہیں اور اکثریت کا یہ عالم ہیکہ ان کو حق کی وصیت اور نصیحت کرنے کا کوئی احساس ہی نہیں۔ وہ نہ اپنوں کے ساتھ صبر کرسکتے ہیں اور نہ غیروں کے ساتھ' جب بھی کوئی مخالفت کی بات پیش آجائے تو غیر تو غیر اپنے بھائیوں کے گھر بار اور ملکوں تک کو لوٹ کر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کو برباد کردیتے ہیں۔

امت مسلمہ کی برسہابرس سے یہ حالت دیکھتے ہوئے اور ان کی اصلاح نہ ہونے کے باوجود ان کو بس ایک ہی سسٹم پر غیر شعوری انداز کی تعلیم دی جارہی ہے' اس لئے ہمارے اکابر اور قائدین کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کی بیماریوں کو دور کرنے کیلئے اور امتِ مسلمہ کو گھاٹے اور خسارے سے بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔

چاروں شرائط نجات کے لئے ضروری ہیں

گویا انسان کو خسارہ اور گھاٹے سے بچ کر نجات حاصل کرنا ہو تو یہ چاروں شرائط ایمان، عمل صالح، **تواصی بالحق**، **تواصلی بالصبر** پر پوری طرح اپنے آپ کو جمائے رکھنا ہوگا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑا نہیں جاسکتا۔ یہ کلام الٰہی ہے اس میں کوئی چیز بھی ضرورت سے زائد یا غیر ضروری یا مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان نہیں کی گئی اور جب ساری انسانیت کی نجات و کامیابی کیلئے چار چیزیں بیان کی گئی ہیں تو یقیناً وہ چاروں ہی چیزیں لازمی وضروری ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی کم نہیں کیا جاسکتا ورنہ اگر کوئی کم کردے تو انسان کی نجات کی ذمہ داری قرآن حکیم پر نہیں ہوگی۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ڈاکٹر کسی مریض کو اس کی صحتمندی کیلئے ایک نسخہ تجویز کرتے ہوئے کہے کہ اگر وہ اپنی زندگی کو بچانا چاہتا ہے تو ہر روز یہ انجکشن، یہ کیپسول اور یہ ٹانک اور یہ ٹیبلیٹ برابر پابندی سے استعمال کرتا رہے۔ اب اگر مریض ڈاکٹر کی تاکید کے باوجود جملہ چار دواؤں میں سے صرف دو یا تین ہی استعمال کرلے اور دو چھوڑ دے تو صحت کے بگڑنے اور زندگی کے خطرے میں پڑنے کی ذمہ داری ڈاکٹر پر نہیں بلکہ خود اس مریض پر ہی ہوگی۔ (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں)

بالکل اسی طرح انسانوں کے خالق و مالک نے انسانوں کی کامیابی اور فلاح کیلئے یہ چار چیزیں تجویز فرمائی ہیں مگر موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت کا عالم یہ ہوگیا ہے کہ وہ یا تو صرف کلمہ پڑھنے ہی کے قائل ہیں، عمل صالح، **تواصی بالحق** اور **تواصی بالصبر** کو ضروری نہیں سمجھتے اور کچھ تو کلمہ اور عبادات (نماز، روزہ حج) ہی کو ترجیح دیتے ہیں، تواصی بالحق اور صبر پر قائم نہیں اور کچھ لوگ کلمہ، عمل اور تواصی بالحق کا ایک جز پکڑے ہوئے ہیں کامل اور مکمل اعمالِ حق کی دعوت اور صبر پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

غرض بہت کم لوگوں کی نگاہ اس سورۃ کے مضامین پر ہے اور جب تک یہ سورۃ مبارکہ لوگوں کے سامنے کھول کر پیش نہ کی جائے گی اس وقت تک ان کی زندگیوں میں تبدیلی نہیں آسکتی۔

نجات کی کم سے کم شرائط

ہم کو یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اس سورۃ میں نجات اور کامیابی کی کم سے کم شرائط کا بیان ہے نہ کہ کامیابی کی بلند ترین منازل کا۔ یعنی نجات کے کم سے کم تقاضوں کا بیان ہے اور ان سے کم پر نجات کی توقع نہیں کی جاسکتی' سادہ لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کامیابی کی اعلیٰ' اوسط یا درمیانی مراتب کا تذکرہ نہیں بلکہ آخری درجہ میں کامیاب ہونے کے شرائط کو بیان کیا گیا ہے۔

انسانی آبادی میں بھی اکثر یہ دیکھا گیا کہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو خصوصاً دینی معاملات میں اعلیٰ مراتب اور بلند مقامات کیلئے کوشاں ہوں' اس کے برعکس عظیم اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کسی نہ کسیطرح ہمت کر کے نجات کے کم سے کم شرائط کو پورا کرنے کی محنت کر لیتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں نجات کے کم از کم تقاضوں کو نہایت سادہ الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے تا کہ عام انسان بھی ہمت اور استطاعت کے مطابق انکو ادا کر سکے

لفظ انسان

انسان کا لفظ اگرچہ واحد ہے لیکن بعد کی آیت سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا جو چار صفات کے حامل ہوں۔ اس لئے یہ بات سمجھئے کہ یہاں لفظ ''انسان'' اسم جنس کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس کا اطلاق نہ خاص طور پر مسلمانوں پر ہے اور نہ خاص طور پر غیر مسلموں پر بلکہ پوری نوع انسانی پر یکساں پڑتا ہے۔

پس مذکورہ چار صفات سے جو شخص بھی خالی ہو وہ خسارے میں ہے' یعنی اس سورۃ میں صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ سارے عالم کے انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ زہر ہر انسان کیلئے مہلک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زہر بہر حال مہلک ہے' خواہ ایک فرد کھائے یا ساری دنیا کے انسان مل کر کھائیں' زہر کی اصلی خاصیت ہر ایک کیلئے اٹل ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ بات بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ مذکورہ چاروں صفات سے جو انسان بھی خالی ہوگا وہ خسارے اور گھاٹے میں رہے گا۔

عبداللہ صدیقی کی کتابوں پر تبصرہ

بچوں کی تربیت کیلئے لکھی گئی عبداللہ صدیقی کی کتابیں میں نے پڑھیں ۔ یہ کتابیں تو بڑوں کی اصلاح وتربیت کیلئے پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔مضامین بڑے مفید ہیں' لکھنے کا انداز انتہائی موثر ہے' یہ کتابیں تو دراصل فارسی کے اس جملہ کے مصداق ہیں''از دل خیزد بردل ریزد'' جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

اللہ کی کبریائی' سلطانی اور ربوبیت کو جس انداز سے سمجھایا گیا ہے وہ کسی بڑے صاحب ایمان کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔مولانا محمد یوسفؒ امیر تبلیغ کی تقریروں میں زیادہ تر گفتگو انہیں موضوعات پر ہوا کرتی تھیں ۔ یہ کتابیں انتہائی نفع بخش ہیں اور ان سے چھوٹوں اور بڑوں کو یکساں نفع ہوگا۔کتابوں کی جتنی بھی اشاعت ہو بہتر ہے۔میں نے''ربوبیت الٰہی'' کے اسباق پڑھے اور مجھے انتہائی پسند آئے۔موجودہ دور میں صحیح توحید کو سمجھنے کیلئے یہ کتاب انتہائی ممد ومعان ہے۔میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کے ذریعہ اپنے بندوں کو ازبیش نفع پہنچائیں ۔ یہ کتابیں شمالی ہند میں بہت مقبول ہوسکتی ہیں' یہاں کے مکاتب اور مدارس سے رابطہ قائم کیا جائے اور یہاں کے مدارس میں یہ کتابیں نصاب میں شامل بھی کی جاسکتی ہیں۔

مولانا مفتی انور علی اعظمی (دارالعلوم مؤ) مؤناتھ بھنجن (یوپی)